

جائے جائے کا زیادہ قہار، صبح تو جی جیتی جیتی
دھوپ سے دن کا آغاز ہوا تھا۔ سچ سے ہی فضا میں
حرارت محسوس ہو رہی تھی مگر دھوپ کے بعد پلکے پلکے
بادل آئے شروع ہو گئے۔ جب بھی کسی کو اندازہ نہ تھا
کہ شام کو بھی دور دور ٹھہرے ہوئے بادل ایک
دوسرے سے قریب سٹ آئیں گے اور مل جل کر
دیں گے۔

سہ پہر کو آدھی آئی اور پھر گرج پٹک کے ساتھ
بارش کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ موسم جو چند دن سے
جلد گری آئے کی خبر سنا رہا تھا، ایک چلا دل کر
سرد ہوئے لگا۔ ایسے ہی بعد میں دھوپ جاذب شپ سے
دوایں بدل کر آئے والی رات کو پھر بھی بے روک
لا۔ وہ دن کی سچی جیتی جیتی تھی مگر ان کی شریعت
اور فطرت کرنے کے لیے آئے والی چاند رات کی
پہنچہ وہ دھوپ جیتی جیتی تھی ان کی سمجھ میں سے نہ کر
لے رہی تھی۔

چند دن سے وہ بے حد تنہائی محسوس کرتے تھے
تھیں۔ بڑھاپا، کمزوری اور تنہائی کا احساس انہیں
دیکھ راتوں رات ڈال رہا تھا۔ وہ اپنی اس بیماری اور
تنہائی کا ذکر کس سے کر سکتے۔

سود کو کمر سے دھکیلی ہی تھیں تھی۔ صبح کے گئے
رات کو آتے۔ کبھی کبھی وہ سوچا کہ کبھی جاتے تو اپنے
کمرے میں ہی آرام کرتے۔ وہ اپنی ذات سے
بھی بے خبر رہتے تھے۔ گوکہ ہاں کے لیے نرم گوشہ
رکھتے تھے اور ان کی فصاحت کو فرض جان کر اور
کرتے مگر پھر بھی مرد تھے اور اپنی زندگی کی چند
عمر میں نے انہیں حد سے زیادہ دل شکستہ کر دیا
تھا۔ وہ عموماً خاموش رہتے اور کسی برسوں سے دل
میں ہنسور پال رہے تھے اور زبان سے آف نہ
کرتے اسی لیے ان کی ہاں کو اندازہ ہی نہ تھا کہ وہ
ہاں باپ کے لیے کچھ ہڈیاں رکھتے ہیں۔ وہ ان کی
پریشانیاں اور ذاتی و فانی غم کے اظہار سے واقف
تھیں اور کبھی راتیں جیسے جیسے بکھرتے جا سکتے تھے
بہت ڈھکی۔ وہ کسی سے بھی اپنے بے تکلف نہ
تھے۔ ایک فضا ادنیٰ ذات ایسی تھی جس کے لیے
ان کی بے خبری اور شفقت سب کے ظاہر ہو جاتی۔

احمد سود کا بیٹا تھا۔ اس کے آرام اور تربیت
کے لیے وہ مختار رہتے اور اس کی محبت نے ان میں
بکھڑا پن پیدا کیا تھا۔ وہ حوصلے سے مشکلات کا
مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ جب وہ بہت
چھوٹا تھا تو اس کے لیے ایک آواز کی کمی محراب
بکھڑا پن سے پرانی ملازمت کی خدمت پر مامور
تھی۔ گوکہ گھڑائی داری کرتی تھیں اور ادھر کو اپنے
پاس ملائی تھیں۔ سود چاہتے تھے بچے کے لیے
جوان عمر دست اور تعلیم یافتہ آیا ہوئی چاہیے جو بچے
کی تعلیمات سے بھی واقف ہو اور محکمہ کے پورے
کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔

مکرم کی والدہ آپا کے حق میں تھیں۔ ان کا
خیال تھا آپا بچوں پر اپنی ذاتی رنگے بغیر چھوڑ دیتی
ہے اور اپنی ہی تعلیمات کے مطابق بچے پالتی ہے۔
خصوصاً اس صورت میں جبکہ وجہ دیتے اور جواب
دینی کرنے والی دس تھیں آپا کی جانی داری کو خاطر
میں نہیں لائیں۔ صرف بچے کے تعلیم کو جواب دہ
تصور کرتی ہیں اسی لیے سود اس کے لیے تعلیم یافتہ
اور شریف گھرانے کی کسی صورت کی تلاش میں تھے۔
اس کی وجہ سے سود کی اسی کا وقت اچھا گزار جاتا تھا
مگر اب بکھڑا پن سے ان کی کیفیت ٹھیک نہیں رہتی تھی۔
وہ شہر پہنچا تھا کہیں نہ تھے۔ بڑھاپا ذات خود
ایک بیماری ہے اور یہ احساس کہ بڑھاپے میں ان کی
خدمت بھرنے کی بھاری ذمہ داری ان کی تنہائی اور چند
ہو جاتی ہے۔ سود سے وہ دیکھ کر نہ پا سکتے۔ ان کے
پاس اپنی ہی تنہائی کا کوئی علاج نہ تھا۔

مدرسہ اس قدر ٹھکانا رہا، صرف لڑکا تھا اس
کا وجود ہی گھر میں کم نظر آتا۔ اس کے تھکیل کی وجہ
سے ہر طرف اس کی انگلی تھی۔ وہ آپا کی حرکت اور
لیٹس کا بہترین نمونہ تھا۔ چوں اس نے اپنے
بچہ پاؤں فٹ بال اور دوڑ میں بھی پسندائے تھے
اس لیے اس کا وقت میدان میں ہی گزارتا تھا پھر
نہوں کے ساتھ دور سے پر دیتا۔ مگر آپا بھی تو
سہاراؤں کی طرف۔ وہ ماں سے زیادہ بھائی کے
قریب تھا۔ ذات بھی اچھی سے تھا اور ہر بار پھر سے
پارہ جاتے کے لیے اسے بھائی کی طرف لڑائی پڑتی
تھی۔ سود چاہتے تھے یہ جوان بکھرے خاص دور میں
ہی رہتا ہے اور فاصلہ بکھڑا نہیں رہے۔ خود بھی ایک
زمانے میں کھیلے تھے مگر انہیں کھیل سے زیادہ علم

مائل کرنے کی ذمہ داری تھی۔ شروع میں بیماری کی وجہ
سے وہ سکول میں ترقی نہ کر سکے۔ کلاس میں بیٹھ
کھڑے رہے مگر مزاج سے جماعت فرکوں کے جملے
انہیں ناگوار گزر گئے۔

جب انہوں نے ماسٹر صاحب کی شکراری قبول کی
اور ان سے وعدہ لیا کہ وہ ہماری توجہ سے انہیں چڑھا
کر کلاس کا بہترین طالب علم بنادیں گے۔ ماسٹر
صاحب نے بھی اپنا وعدہ پورے طور پر نبھایا اور وہ
پہلے سال ہی کلاس میں اول آئے۔

جب سے ہی علم کی پیاس اور جستجو انہیں ہر روز شام
کو اس رات سے لے کر آتی تھی جہاں سے ماسٹر صاحب
کے مکرور استہانہ جاتا تھا وہاں رہا رہا تھی جس
کی معلومات اور تعلیمی قابلیت نے ان کو خاصا

محبوب کر دیا تھا۔ وہ بے حد چین اور حاضر جواب
تھی۔ سود سے کافی چھوٹی ہونے کے باوجود انہیں
بے خوف بنایا کرتی۔

پھر کافی سالوں کے بعد سود نے ماسٹر صاحب
کے مکرر جانا چھوڑ دیا۔ شاید علم سے چھوٹی بھر پیلے کے
بہاد اب انہیں ماسٹر صاحب کی ضرورت نہ رہی۔
ماسٹر صاحب تو جوں ہی بے غرض بنے تھے۔ سود
آتے رہے اور وہ انہیں بطور خاص دیکھتا رہا۔ ماسٹر صاحب
علم محمول کر جاتے۔ انہوں نے آپا چھوڑ دیا۔ کبھی
کبھی آتے گئے اور بعد میں بالکل ہی جانا تو لایا
تھا۔ وہ عموماً خاموش رہتے اور کسی برسوں سے دل
میں ہنسور پال رہے تھے اور زبان سے آف نہ
کرتے اسی لیے ان کی ہاں کو اندازہ ہی نہ تھا کہ وہ
ہاں باپ کے لیے کچھ ہڈیاں رکھتے ہیں۔ وہ ان کی
پریشانیاں اور ذاتی و فانی غم کے اظہار سے واقف
تھیں اور کبھی راتیں جیسے جیسے بکھرتے جا سکتے تھے
بہت ڈھکی۔ وہ کسی سے بھی اپنے بے تکلف نہ
تھے۔ ایک فضا ادنیٰ ذات ایسی تھی جس کے لیے
ان کی بے خبری اور شفقت سب کے ظاہر ہو جاتی۔

احمد سود کا بیٹا تھا۔ اس کے آرام اور تربیت
کے لیے وہ مختار رہتے اور اس کی محبت نے ان میں
بکھڑا پن پیدا کیا تھا۔ وہ حوصلے سے مشکلات کا
مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ جب وہ بہت
چھوٹا تھا تو اس کے لیے ایک آواز کی کمی محراب
بکھڑا پن سے پرانی ملازمت کی خدمت پر مامور
تھی۔ گوکہ گھڑائی داری کرتی تھیں اور ادھر کو اپنے
پاس ملائی تھیں۔ سود چاہتے تھے بچے کے لیے
جوان عمر دست اور تعلیم یافتہ آیا ہوئی چاہیے جو بچے
کی تعلیمات سے بھی واقف ہو اور محکمہ کے پورے
کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔

مکرم کی والدہ آپا کے حق میں تھیں۔ ان کا
خیال تھا آپا بچوں پر اپنی ذاتی رنگے بغیر چھوڑ دیتی
ہے اور اپنی ہی تعلیمات کے مطابق بچے پالتی ہے۔
خصوصاً اس صورت میں جبکہ وجہ دیتے اور جواب
دینی کرنے والی دس تھیں آپا کی جانی داری کو خاطر
میں نہیں لائیں۔ صرف بچے کے تعلیم کو جواب دہ
تصور کرتی ہیں اسی لیے سود اس کے لیے تعلیم یافتہ
اور شریف گھرانے کی کسی صورت کی تلاش میں تھے۔
اس کی وجہ سے سود کی اسی کا وقت اچھا گزار جاتا تھا
مگر اب بکھڑا پن سے ان کی کیفیت ٹھیک نہیں رہتی تھی۔
وہ شہر پہنچا تھا کہیں نہ تھے۔ بڑھاپا ذات خود
ایک بیماری ہے اور یہ احساس کہ بڑھاپے میں ان کی
خدمت بھرنے کی بھاری ذمہ داری ان کی تنہائی اور چند
ہو جاتی ہے۔ سود سے وہ دیکھ کر نہ پا سکتے۔ ان کے
پاس اپنی ہی تنہائی کا کوئی علاج نہ تھا۔

مدرسہ اس قدر ٹھکانا رہا، صرف لڑکا تھا اس
کا وجود ہی گھر میں کم نظر آتا۔ اس کے تھکیل کی وجہ
سے ہر طرف اس کی انگلی تھی۔ وہ آپا کی حرکت اور
لیٹس کا بہترین نمونہ تھا۔ چوں اس نے اپنے
بچہ پاؤں فٹ بال اور دوڑ میں بھی پسندائے تھے
اس لیے اس کا وقت میدان میں ہی گزارتا تھا پھر
نہوں کے ساتھ دور سے پر دیتا۔ مگر آپا بھی تو
سہاراؤں کی طرف۔ وہ ماں سے زیادہ بھائی کے
قریب تھا۔ ذات بھی اچھی سے تھا اور ہر بار پھر سے
پارہ جاتے کے لیے اسے بھائی کی طرف لڑائی پڑتی
تھی۔ سود چاہتے تھے یہ جوان بکھرے خاص دور میں
ہی رہتا ہے اور فاصلہ بکھڑا نہیں رہے۔ خود بھی ایک
زمانے میں کھیلے تھے مگر انہیں کھیل سے زیادہ علم

مکرم کی والدہ آپا کے حق میں تھیں۔ ان کا
خیال تھا آپا بچوں پر اپنی ذاتی رنگے بغیر چھوڑ دیتی
ہے اور اپنی ہی تعلیمات کے مطابق بچے پالتی ہے۔
خصوصاً اس صورت میں جبکہ وجہ دیتے اور جواب
دینی کرنے والی دس تھیں آپا کی جانی داری کو خاطر
میں نہیں لائیں۔ صرف بچے کے تعلیم کو جواب دہ
تصور کرتی ہیں اسی لیے سود اس کے لیے تعلیم یافتہ
اور شریف گھرانے کی کسی صورت کی تلاش میں تھے۔
اس کی وجہ سے سود کی اسی کا وقت اچھا گزار جاتا تھا
مگر اب بکھڑا پن سے ان کی کیفیت ٹھیک نہیں رہتی تھی۔
وہ شہر پہنچا تھا کہیں نہ تھے۔ بڑھاپا ذات خود
ایک بیماری ہے اور یہ احساس کہ بڑھاپے میں ان کی
خدمت بھرنے کی بھاری ذمہ داری ان کی تنہائی اور چند
ہو جاتی ہے۔ سود سے وہ دیکھ کر نہ پا سکتے۔ ان کے
پاس اپنی ہی تنہائی کا کوئی علاج نہ تھا۔

کونیں چٹ نکلی تھی۔ ہونٹیں ہونٹیں ہونٹیں
کھینچیں۔ کبھی اٹھ کھڑی تھیں کبھی سر ہانک کر دیتی
تھیں۔
"وہ کرکٹ نہیں ہاکی کھیلے کیا ہے۔" سود انہیں
تلاشے۔

"تلاش ہاکی کیا کم ہے۔ وہ تو خود چھپا رہا ہے۔
جب ہاکی کھیلے تو آتے پھرتے پھرتے پھرتے پھرتے
خالف کھلاڑی اسے چھپا کر مارنے چلائے ہیں۔"
اور اگر وہ کسی دوڑ میں حصہ لینے یا ٹینس کھیلنے گیا
ہوتا تو بھی ٹینس میں چھپا کر مارنے کا کرتی رہیں۔
"اب آئے گا اور ہی کے در سے رات بھر نہ پے
گا۔ یہ ٹینس جانے کس نے ایجاد کیا ہے۔ یہ تو
بندوں کے لیے مناسب تھا کہ ایک اور اور

سود نے یہ چہرہ نکلی بار نہیں دیکھا تھا۔ آج
رفیقہ کو ضرور وہ نکلی بار دیکھ رہے تھے مگر برسوں
پہلے شاید پہلے ہی نکلی بار ہی اس چہرے سے
خلاف ہوئے تھے۔ وہ ان کے ذہن میں یہ
آکھیں نہ ہوئے۔ یہ مسکراہٹ روز روشن کی طرح
چھلکا کر نکلتی تھی۔ یہ چھلکاہٹ اور سیلا انہوں کی چٹک
کی تھیں۔ نکلی کی ہاں انہوں میں لیے دور کے
قدموں سے آگے پیچھے۔ نازک نازک اگلیاں ان
کے سر میں چست ہو گئیں۔ وہ بہت مہارت سے
نکلی بار نکلتی تھی۔ ان کے احساس کو گھبراہٹ دیتی تھی۔
نکلی بار کراسنگ کرنے کی۔
"تم بہت اچھا سنا کر رہی ہو۔" انہوں نے
رفیقہ کی اگلیاں ایک لمبے روک تھیں۔ "نئی

شکراری آپا کس سکول میں پڑھاتی تھیں؟"
بات ٹال کر انہوں نے ہم چلا۔
رفیقہ کے انہوں کی حرکت مزید تیز ہو گئی۔
"شکراری سکول تھا۔ آپ کی زندگی میں ہی ان کی
بیماری کے بعد آپا نے ڈگری کر لی تھی۔ آپ کو تو یہ بات
پتہ نہیں تھی کہ آپا کرتے، کھانے کے لیے بھی مگر
میں بکھڑا تھا اور آپا کبھی تھی کہ میں م کو کھانا کے بغیر
نہیں رہتے ہوں گی۔ حق تو ادا کرنا ہوتا آپا نے کھانا
بھی کرایا نہ تھا۔ انہوں نے کھانا نہیں دیا۔ مگر

سود نے یہ چہرہ نکلی بار نہیں دیکھا تھا۔ آج
رفیقہ کو ضرور وہ نکلی بار دیکھ رہے تھے مگر برسوں
پہلے شاید پہلے ہی نکلی بار ہی اس چہرے سے
خلاف ہوئے تھے۔ وہ ان کے ذہن میں یہ
آکھیں نہ ہوئے۔ یہ مسکراہٹ روز روشن کی طرح
چھلکا کر نکلتی تھی۔ یہ چھلکاہٹ اور سیلا انہوں کی چٹک
کی تھیں۔ نکلی کی ہاں انہوں میں لیے دور کے
قدموں سے آگے پیچھے۔ نازک نازک اگلیاں ان
کے سر میں چست ہو گئیں۔ وہ بہت مہارت سے
نکلی بار نکلتی تھی۔ ان کے احساس کو گھبراہٹ دیتی تھی۔
نکلی بار کراسنگ کرنے کی۔
"تم بہت اچھا سنا کر رہی ہو۔" انہوں نے
رفیقہ کی اگلیاں ایک لمبے روک تھیں۔ "نئی

شکراری آپا کس سکول میں پڑھاتی تھیں؟"
بات ٹال کر انہوں نے ہم چلا۔
رفیقہ کے انہوں کی حرکت مزید تیز ہو گئی۔
"شکراری سکول تھا۔ آپ کی زندگی میں ہی ان کی
بیماری کے بعد آپا نے ڈگری کر لی تھی۔ آپ کو تو یہ بات
پتہ نہیں تھی کہ آپا کرتے، کھانے کے لیے بھی مگر
میں بکھڑا تھا اور آپا کبھی تھی کہ میں م کو کھانا کے بغیر
نہیں رہتے ہوں گی۔ حق تو ادا کرنا ہوتا آپا نے کھانا
بھی کرایا نہ تھا۔ انہوں نے کھانا نہیں دیا۔ مگر

سود نے یہ چہرہ نکلی بار نہیں دیکھا تھا۔ آج
رفیقہ کو ضرور وہ نکلی بار دیکھ رہے تھے مگر برسوں
پہلے شاید پہلے ہی نکلی بار ہی اس چہرے سے
خلاف ہوئے تھے۔ وہ ان کے ذہن میں یہ
آکھیں نہ ہوئے۔ یہ مسکراہٹ روز روشن کی طرح
چھلکا کر نکلتی تھی۔ یہ چھلکاہٹ اور سیلا انہوں کی چٹک
کی تھیں۔ نکلی کی ہاں انہوں میں لیے دور کے
قدموں سے آگے پیچھے۔ نازک نازک اگلیاں ان
کے سر میں چست ہو گئیں۔ وہ بہت مہارت سے
نکلی بار نکلتی تھی۔ ان کے احساس کو گھبراہٹ دیتی تھی۔
نکلی بار کراسنگ کرنے کی۔
"تم بہت اچھا سنا کر رہی ہو۔" انہوں نے
رفیقہ کی اگلیاں ایک لمبے روک تھیں۔ "نئی

شکراری آپا کس سکول میں پڑھاتی تھیں؟"
بات ٹال کر انہوں نے ہم چلا۔
رفیقہ کے انہوں کی حرکت مزید تیز ہو گئی۔
"شکراری سکول تھا۔ آپ کی زندگی میں ہی ان کی
بیماری کے بعد آپا نے ڈگری کر لی تھی۔ آپ کو تو یہ بات
پتہ نہیں تھی کہ آپا کرتے، کھانے کے لیے بھی مگر
میں بکھڑا تھا اور آپا کبھی تھی کہ میں م کو کھانا کے بغیر
نہیں رہتے ہوں گی۔ حق تو ادا کرنا ہوتا آپا نے کھانا
بھی کرایا نہ تھا۔ انہوں نے کھانا نہیں دیا۔ مگر

سود نے یہ چہرہ نکلی بار نہیں دیکھا تھا۔ آج
رفیقہ کو ضرور وہ نکلی بار دیکھ رہے تھے مگر برسوں
پہلے شاید پہلے ہی نکلی بار ہی اس چہرے سے
خلاف ہوئے تھے۔ وہ ان کے ذہن میں یہ
آکھیں نہ ہوئے۔ یہ مسکراہٹ روز روشن کی طرح
چھلکا کر نکلتی تھی۔ یہ چھلکاہٹ اور سیلا انہوں کی چٹک
کی تھیں۔ نکلی کی ہاں انہوں میں لیے دور کے
قدموں سے آگے پیچھے۔ نازک نازک اگلیاں ان
کے سر میں چست ہو گئیں۔ وہ بہت مہارت سے
نکلی بار نکلتی تھی۔ ان کے احساس کو گھبراہٹ دیتی تھی۔
نکلی بار کراسنگ کرنے کی۔
"تم بہت اچھا سنا کر رہی ہو۔" انہوں نے
رفیقہ کی اگلیاں ایک لمبے روک تھیں۔ "نئی

شکراری آپا کس سکول میں پڑھاتی تھیں؟"
بات ٹال کر انہوں نے ہم چلا۔
رفیقہ کے انہوں کی حرکت مزید تیز ہو گئی۔
"شکراری سکول تھا۔ آپ کی زندگی میں ہی ان کی
بیماری کے بعد آپا نے ڈگری کر لی تھی۔ آپ کو تو یہ بات
پتہ نہیں تھی کہ آپا کرتے، کھانے کے لیے بھی مگر
میں بکھڑا تھا اور آپا کبھی تھی کہ میں م کو کھانا کے بغیر
نہیں رہتے ہوں گی۔ حق تو ادا کرنا ہوتا آپا نے کھانا
بھی کرایا نہ تھا۔ انہوں نے کھانا نہیں دیا۔ مگر

سود نے یہ چہرہ نکلی بار نہیں دیکھا تھا۔ آج
رفیقہ کو ضرور وہ نکلی بار دیکھ رہے تھے مگر برسوں
پہلے شاید پہلے ہی نکلی بار ہی اس چہرے سے
خلاف ہوئے تھے۔ وہ ان کے ذہن میں یہ
آکھیں نہ ہوئے۔ یہ مسکراہٹ روز روشن کی طرح
چھلکا کر نکلتی تھی۔ یہ چھلکاہٹ اور سیلا انہوں کی چٹک
کی تھیں۔ نکلی کی ہاں انہوں میں لیے دور کے
قدموں سے آگے پیچھے۔ نازک نازک اگلیاں ان
کے سر میں چست ہو گئیں۔ وہ بہت مہارت سے
نکلی بار نکلتی تھی۔ ان کے احساس کو گھبراہٹ دیتی تھی۔
نکلی بار کراسنگ کرنے کی۔
"تم بہت اچھا سنا کر رہی ہو۔" انہوں نے
رفیقہ کی اگلیاں ایک لمبے روک تھیں۔ "نئی

شکراری آپا کس سکول میں پڑھاتی تھیں؟"
بات ٹال کر انہوں نے ہم چلا۔
رفیقہ کے انہوں کی حرکت مزید تیز ہو گئی۔
"شکراری سکول تھا۔ آپ کی زندگی میں ہی ان کی
بیماری کے بعد آپا نے ڈگری کر لی تھی۔ آپ کو تو یہ بات
پتہ نہیں تھی کہ آپا کرتے، کھانے کے لیے بھی مگر
میں بکھڑا تھا اور آپا کبھی تھی کہ میں م کو کھانا کے بغیر
نہیں رہتے ہوں گی۔ حق تو ادا کرنا ہوتا آپا نے کھانا
بھی کرایا نہ تھا۔ انہوں نے کھانا نہیں دیا۔ مگر

سود نے یہ چہرہ نکلی بار نہیں دیکھا تھا۔ آج
رفیقہ کو ضرور وہ نکلی بار دیکھ رہے تھے مگر برسوں
پہلے شاید پہلے ہی نکلی بار ہی اس چہرے سے
خلاف ہوئے تھے۔ وہ ان کے ذہن میں یہ
آکھیں نہ ہوئے۔ یہ مسکراہٹ روز روشن کی طرح
چھلکا کر نکلتی تھی۔ یہ چھلکاہٹ اور سیلا انہوں کی چٹک
کی تھیں۔ نکلی کی ہاں انہوں میں لیے دور کے
قدموں سے آگے پیچھے۔ نازک نازک اگلیاں ان
کے سر میں چست ہو گئیں۔ وہ بہت مہارت سے
نکلی بار نکلتی تھی۔ ان کے احساس کو گھبراہٹ دیتی تھی۔
نکلی بار کراسنگ کرنے کی۔
"تم بہت اچھا سنا کر رہی ہو۔" انہوں نے
رفیقہ کی اگلیاں ایک لمبے روک تھیں۔ "نئی

شکراری آپا کس سکول میں پڑھاتی تھیں؟"
بات ٹال کر انہوں نے ہم چلا۔
رفیقہ کے انہوں کی حرکت مزید تیز ہو گئی۔
"شکراری سکول تھا۔ آپ کی زندگی میں ہی ان کی
بیماری کے بعد آپا نے ڈگری کر لی تھی۔ آپ کو تو یہ بات
پتہ نہیں تھی کہ آپا کرتے، کھانے کے لیے بھی مگر
میں بکھڑا تھا اور آپا کبھی تھی کہ میں م کو کھانا کے بغیر
نہیں رہتے ہوں گی۔ حق تو ادا کرنا ہوتا آپا نے کھانا
بھی کرایا نہ تھا۔ انہوں نے کھانا نہیں دیا۔ مگر

سود نے یہ چہرہ نکلی بار نہیں دیکھا تھا۔ آج
رفیقہ کو ضرور وہ نکلی بار دیکھ رہے تھے مگر برسوں
پہلے شاید پہلے ہی نکلی بار ہی اس چہرے سے
خلاف ہوئے تھے۔ وہ ان کے ذہن میں یہ
آکھیں نہ ہوئے۔ یہ مسکراہٹ روز روشن کی طرح
چھلکا کر نکلتی تھی۔ یہ چھلکاہٹ اور سیلا انہوں کی چٹک
کی تھیں۔ نکلی کی ہاں انہوں میں لیے دور کے
قدموں سے آگے پیچھے۔ نازک نازک اگلیاں ان
کے سر میں چست ہو گئیں۔ وہ بہت مہارت سے
نکلی بار نکلتی تھی۔ ان کے احساس کو گھبراہٹ دیتی تھی۔
نکلی بار کراسنگ کرنے کی۔
"تم بہت اچھا سنا کر رہی ہو۔" انہوں نے
رفیقہ کی اگلیاں ایک لمبے روک تھیں۔ "نئی

معمول گھر میں کیسے نظر آ رہے ہو۔ اسے چٹا کر
دیتے تو میں رفیقہ سے کہہ کر تھارے سر میں تل لایا
دیتی۔ ایسا اچھا تل وال کر دیتی اور سر درد تاب
کرتی ہے کہ کیا کہوں۔ کی دن سے میرے سر میں
دھمک ہو رہی تھی۔ اس کی چھوٹی چھوٹی تل لگی
اگلیوں نے چادر سا کر دیا۔ غیر دہائی ہوں۔"
وہ چکارتے رہ گئے۔ "تھیں اپنی ارہ تھیں۔"
وہ کہتا چاہتے تھے یہ درد ایسا نہیں تھیں کہ کوئی
تھکے۔ یہ درد ہے جو سر سے لگا رہتا ہے۔ سر کے
پورے سے واقف اور پرہیز سے تھا۔

ای نے ان کے دل کی آواز سن لی تھی اور رفیقہ
کو لگا لگی۔ بارہ چھ سال کی دینی تل لائی تھی
دھمک نہ لائی تھی۔ یہ چھ سال کی دینی تل لائی تھی
پہلے ہی رہتے تھے۔ وہاں سے سکھارت میں سے چھ
کے اطراف میں طرکا پڑا۔ وہاں سے سکھارت میں سے چھ
آگھوں میں چٹک تھیں اور بات۔ پھر سے پھر
کے سامنے۔

سود نے یہ چہرہ نکلی بار نہیں دیکھا تھا۔ آج
رفیقہ کو ضرور وہ نکلی بار دیکھ رہے تھے مگر برسوں
پہلے شاید پہلے ہی نکلی بار ہی اس چہرے سے
خلاف ہوئے تھے۔ وہ ان کے ذہن میں یہ
آکھیں نہ ہوئے۔ یہ مسکراہٹ روز روشن کی طرح
چھلکا کر نکلتی تھی۔ یہ چھلکاہٹ اور سیلا انہوں کی چٹک
کی تھیں۔ نکلی کی ہاں انہوں میں لیے دور کے
قدموں سے آگے پیچھے۔ نازک نازک اگلیاں ان
کے سر میں چست ہو گئیں۔ وہ بہت مہارت سے
نکلی بار نکلتی تھی۔ ان کے احساس کو گھبراہٹ دیتی تھی۔
نکلی بار کراسنگ کرنے کی۔
"تم بہت اچھا سنا کر رہی ہو۔" انہوں نے
رفیقہ کی اگلیاں ایک لمبے روک تھیں۔ "نئی

شکراری آپا کس سکول میں پڑھاتی تھیں؟"
بات ٹال کر انہوں نے ہم چلا۔
رفیقہ کے انہوں کی حرکت مزید تیز ہو گئی۔
"شکراری سکول تھا۔ آپ کی زندگی میں ہی ان کی
بیماری کے بعد آپا نے ڈگری کر لی تھی۔ آپ کو تو یہ بات
پتہ نہیں تھی کہ آپا کرتے، کھانے کے لیے بھی مگر
میں بکھڑا تھا اور آپا کبھی تھی کہ میں م کو کھانا کے بغیر
نہیں رہتے ہوں گی۔ حق تو ادا کرنا ہوتا آپا نے کھانا
بھی کرایا نہ تھا۔ انہوں نے کھانا نہیں دیا۔ مگر

سود نے یہ چہرہ نکلی بار نہیں دیکھا تھا۔ آج
رفیقہ کو ضرور وہ نکلی بار دیکھ رہے تھے مگر برسوں
پہلے شاید پہلے ہی نکلی بار ہی اس چہرے سے
خلاف ہوئے تھے۔ وہ ان کے ذہن میں یہ
آکھیں نہ ہوئے۔ یہ مسکراہٹ روز روشن کی طرح
چھلکا کر نکلتی تھی۔ یہ چھلکاہٹ اور سیلا انہوں کی چٹک
کی تھیں۔ نکلی کی ہاں انہوں میں لیے دور کے
قدموں سے آگے پیچھے۔ نازک نازک اگلیاں ان
کے سر میں چست ہو گئیں۔ وہ بہت مہارت سے
نکلی بار نکلتی تھی۔ ان کے احساس کو گھبراہٹ دیتی تھی۔
نکلی بار کراسنگ کرنے کی۔
"تم بہت اچھا سنا کر رہی ہو۔" انہوں نے
رفیقہ کی اگلیاں ایک لمبے روک تھیں۔ "نئی

شکراری آپا کس سکول میں پڑھاتی تھیں؟"
بات ٹال کر انہوں نے ہم چلا۔
رفیقہ کے انہوں کی حرکت مزید تیز ہو گئی۔
"شکراری سکول تھا۔ آپ کی زندگی میں ہی ان کی
بیماری کے بعد آپا نے ڈگری کر لی تھی۔ آپ کو تو یہ بات
پتہ نہیں تھی کہ آپا کرتے، کھانے کے لیے بھی مگر
میں بکھڑا تھا اور آپا کبھی تھی کہ میں م کو کھانا کے بغیر
نہیں رہتے ہوں گی۔ حق تو ادا کرنا ہوتا آپا نے کھانا
بھی کرایا نہ تھا۔ انہوں نے کھانا نہیں دیا۔ مگر

سود نے یہ چہرہ نکلی بار نہیں دیکھا تھا۔ آج
رفیقہ کو ضرور وہ نکلی بار دیکھ رہے تھے مگر برسوں
پہلے شاید پہلے ہی نکلی بار ہی اس چہرے سے
خلاف ہوئے تھے۔ وہ ان کے ذہن میں یہ
آکھیں نہ ہوئے۔ یہ مسکراہٹ روز روشن کی طرح
چھلکا کر نکلتی تھی۔ یہ چھلکاہٹ اور سیلا انہوں کی چٹک
کی تھیں۔ نکلی کی ہاں انہوں میں لیے دور کے
قدموں سے آگے پیچھے۔ نازک نازک اگلیاں ان
کے سر میں چست ہو گئیں۔ وہ بہت مہارت سے
نکلی بار نکلتی تھی۔ ان کے احساس کو گھبراہٹ دیتی تھی۔
نکلی بار کراسنگ کرنے کی۔
"تم بہت اچھا سنا کر رہی ہو۔" انہوں نے
رفیقہ کی اگلیاں ایک لمبے روک تھیں۔ "نئی

شکراری آپا کس سکول میں پڑھاتی تھیں؟"
بات ٹال کر انہوں نے ہم چلا۔
رفیقہ کے انہوں کی حرکت مزید تیز ہو گئی۔
"شکراری سکول تھا۔ آپ کی زندگی میں ہی ان کی
بیماری کے بعد آپا نے ڈگری کر لی تھی۔ آپ کو تو یہ بات
پتہ نہیں تھی کہ آپا کرتے، کھانے کے لیے بھی مگر
میں بکھڑا تھا اور آپا کبھی تھی کہ میں م کو کھانا کے بغیر
نہیں رہتے ہوں گی۔ حق تو ادا کرنا ہوتا آپا نے کھانا
بھی کرایا نہ تھا۔ انہوں نے کھانا نہیں دیا۔ مگر

سود نے یہ چہرہ نکلی بار نہیں دیکھا تھا۔ آج
رفیقہ کو ضرور وہ نکلی بار دیکھ رہے تھے مگر برسوں
پہلے شاید پہلے ہی نکلی بار ہی اس چہرے سے
خلاف ہوئے تھے۔ وہ ان کے ذہن میں یہ
آکھیں نہ ہوئے۔ یہ مسکراہٹ روز روشن کی طرح
چھلکا کر نکلتی تھی۔ یہ چھلکاہٹ اور سیلا انہوں کی چٹک
کی تھیں۔ نکلی کی ہاں انہوں میں لیے دور کے
قدموں سے آگے پیچھے۔ نازک نازک اگلیاں ان
کے سر میں چست ہو گئیں۔ وہ بہت مہارت سے
نکلی بار نکلتی تھی۔ ان کے احساس کو گھبراہٹ دیتی تھی۔
نکلی بار کراسنگ کرنے کی۔
"تم بہت اچھا سنا کر رہی ہو۔" انہوں نے
رفیقہ کی اگلیاں ایک لمبے روک تھیں۔ "نئی

شکراری آپا کس سکول میں پڑھاتی تھیں؟"
بات ٹال کر انہوں نے ہم چلا۔
رفیقہ کے انہوں کی حرکت مزید تیز ہو گئی۔
"شکراری سکول تھا۔ آپ کی زندگی میں ہی ان کی
بیماری کے بعد آپا نے ڈگری کر لی تھی۔ آپ کو تو یہ بات
پتہ نہیں تھی کہ آپا کرتے، کھانے کے لیے بھی مگر
میں بکھڑا تھا اور آپا کبھی تھی کہ میں م کو کھانا کے بغیر
نہیں رہتے ہوں گی۔ حق تو ادا کرنا ہوتا آپا نے کھانا
بھی کرایا نہ تھا۔ انہوں نے کھانا نہیں دیا۔ مگر

سود نے یہ چہرہ نکلی بار نہیں دیکھا تھا۔ آج
رفیقہ کو ضرور وہ نکلی بار دیکھ رہے تھے مگر برسوں
پہلے شاید پہلے ہی نکلی بار ہی اس چہرے سے
خلاف ہوئے تھے۔ وہ ان کے ذہن میں یہ
آکھیں نہ ہوئے۔ یہ مسکراہٹ روز روشن کی طرح
چھلکا کر نکلتی تھی۔ یہ چھلکاہٹ اور سیلا انہوں کی چٹک
کی تھیں۔ نکلی کی ہاں انہوں میں لیے دور کے
قدموں سے آگے پیچھے۔ نازک نازک اگلیاں ان
کے سر میں چست ہو گئیں۔ وہ بہت مہارت سے
نکلی بار نکلتی تھی۔ ان کے احساس کو گھبراہٹ دیتی تھی۔
نکلی بار کراسنگ کرنے کی۔
"تم بہت اچھا سنا کر رہی ہو۔" انہوں نے
رفیقہ کی اگلیاں ایک لمبے روک تھیں۔ "نئی

شکراری آپا کس سکول میں پڑھاتی تھیں؟"
بات ٹال کر انہوں نے ہم چلا۔
رفیقہ کے انہوں کی حرکت مزید تیز ہو گئی۔
"شکراری سکول تھا۔ آپ کی زندگی میں ہی ان کی
بیماری کے بعد آپا نے ڈگری کر لی تھی۔ آپ کو تو یہ بات
پتہ نہیں تھی کہ آپا کرتے، کھانے کے لیے بھی مگر
میں بکھڑا تھا اور آپا کبھی تھی کہ میں م کو کھانا کے بغیر
نہیں رہتے ہوں گی۔ حق تو ادا کرنا ہوتا آپا نے کھانا
بھی کرایا نہ تھا۔ انہوں نے کھانا نہیں دیا۔ مگر

سود نے یہ چہرہ نکلی بار نہیں دیکھا تھا۔ آج
رفیقہ کو ضرور وہ نکلی بار دیکھ رہے تھے مگر برسوں
پہلے شاید پہلے ہی نکلی بار ہی اس چہرے سے
خلاف ہوئے تھے۔ وہ ان کے ذہن میں یہ
آکھیں نہ ہوئے۔ یہ مسکراہٹ روز روشن کی طرح
چھلکا کر نکلتی تھی۔ یہ چھلکاہٹ اور سیلا انہوں کی چٹک
کی تھیں۔ نکلی کی ہاں انہوں میں لیے دور کے
قدموں سے آگے پیچھے۔ نازک نازک اگلیاں ان
کے سر میں چست ہو گئیں۔ وہ بہت مہارت سے
نکلی بار نکلتی تھی۔ ان کے احساس کو گھبراہٹ دیتی تھی۔
نکلی بار کراسنگ کرنے کی۔
"تم بہت اچھا سنا کر رہی ہو۔" انہوں نے
رفیقہ کی اگلیاں ایک لمبے روک تھیں۔ "نئی

شکراری آپا کس سکول میں پڑھاتی تھیں؟"
بات ٹال کر انہوں نے ہم چلا۔
رفیقہ کے انہوں کی حرکت مزید تیز ہو گئی۔
"شکراری سکول تھا۔ آپ کی زندگی میں ہی ان کی
بیماری کے بعد آپا نے ڈگری کر لی تھی۔ آپ کو تو یہ بات
پتہ نہیں تھی کہ آپا کرتے، کھانے کے لیے بھی مگر
میں بکھڑا تھا اور آپا کبھی تھی کہ میں م کو کھانا کے بغیر
نہیں رہتے ہوں گی۔ حق تو ادا کرنا ہوتا آپا نے کھانا
بھی کرایا نہ تھا۔ انہوں نے کھانا نہیں دیا۔ مگر

کال کھینچنے کے لئے ہاتھوں میں مصروف ہو گئے۔
"مگر آپاں ہونے کی بات نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ بیماری
قسمت آگئی ہو اور کوئی اور دل چاہے تھا کہ وہ
کے جڑوں شکر ہیں جس سے کوئی وہ نہیں
ڈاکٹری پڑھانے میں مدد سے گا۔"
"نئی۔ شکر۔" وہ چٹک کر گئی سے بولی۔

"رہتے ہیں۔ یہ دنیا جو ہے بہت احسان فراموش
ہے۔ کتنے ہی شکر ہیں آپ کے جوڑے ہوتے
مہلوں پر ہیں۔ کوئی ڈاکٹر بن گیا ہے، کوئی انجینئر
اور کتنے ہیں جو انہیں یاد رکھتے ہیں۔ آپ نے اپنی
زندگی پڑھانے میں گزار دی۔ کوئی نام لیتا ہے ان
کا؟ ایک دن ایک صاحب آپا کے سکول حریف
لائے، آپا نے ان کو بچکان لایا اور یاد دلا دیا کہ وہ
کے شکر کردہ بچے ہیں۔ آپ کا نام بتانے پر بھی انہیں
قبیل نہ آیا۔ اٹھتے ہوئے کچے میں بولے۔ کوئی
ایک ماسٹر سے تو پڑھا میں ہے میں نے۔ کس کو
یاد رکھوں، ماسٹر کی فریب ہے میرا تو۔ یہ حال ہے
شکر کردہں کا۔ آپ کے سر کے کی خبریں کرانے والے
شکر کردہں کی مقدار میں آئے ہیں کبھی جیتی جیتی۔"
سود کی چوٹی کی شرم کی اور نکلتے سے سرد ہونے
گئی۔ وہ بھی ماسٹر صاحب کے نکلتے ہی نہیں گئے تھے۔
"شکراری آپا کس سکول میں پڑھاتی تھیں؟"
بات ٹال کر انہوں نے ہم چلا۔

رفیقہ کے انہوں کی حرکت مزید تیز ہو گئی۔
"شکراری سکول تھا۔ آپ کی زندگی میں ہی ان کی
بیماری کے بعد آپا نے ڈگری کر لی تھی۔ آپ کو تو یہ بات
پتہ نہیں تھی کہ آپا کرتے، کھانے کے لیے بھی مگر
میں بکھڑا تھا اور آپا کبھی تھی کہ میں م کو کھانا کے بغیر
نہیں رہتے ہوں گی۔ حق تو ادا کرنا ہوتا آپا نے کھانا
بھی کرایا نہ تھا۔ انہوں نے کھانا نہیں دیا۔ مگر

سود نے یہ چہرہ نکلی بار نہیں دیکھا تھا۔ آج
رفیقہ کو ضرور وہ نکلی بار دیکھ رہے تھے مگر برسوں
پہل

وہ جتنی ہو گئے۔ تاہم میڈیا میری بات سمجھنے کی کوشش کر رہا ہے۔

”نو ٹیکو مہاں! ابھی میں زندہ ہوں۔ یہ مگر یہ سربابہ سب میرا ہے اور تم میرے بچے، میرے نام سے الگ ہو کر کچھ نہیں ہو۔ میں کسی قیمت پر تمہاری شادی اس نکاح کی بیٹی سے نہیں کروں گا۔ اگر تم کو ضد ہوگی ہے تو اپنی ضد چھڑی کر لو۔ دروازہ کھلا ہے۔ جاؤ چلے جاؤ تمہارا کھانا کھاؤ اور وہاں سے جاؤ اور تمہاری باپ کی صورت دیکھنے کو کس جاؤ گے۔ چائے لکھے ہو، ماسٹر کی قلم بنی جانے کی۔ وہ جی بھی اسی قابل اور تم بھی اسی کی سب کے نظر آ رہے ہو۔ شاید مجھ کو دن تم کو قاتل بھی کرنا پڑے۔ کیونکہ ماسٹر کے گھر میں تو ان کے بچے بھرے کا سامان بھی نہیں۔ تم کو کہاں سے نکالیں گے۔ خیر قاتل بھی کر لینا۔ دل کے فیصلے کے آگے قانون کی کیا حقیقت اور اس کے بعد تم کوئی ملوثی کی دکان کھول لینا۔ تم کھاؤ گے۔ خاندان کا نام روشن ہوگا۔ چلو یہ بھی کر کے دو لو۔ دوسری صورت میں اعلیٰ تعلیم اپنی پڑائیں اور روشن مستقبل ہے۔ جب لہروں سے آؤ گے تو ماسٹر کی بیٹی خود بھی کوہنہ ہوگی۔“

باپ کے جلال اور حضور کے دونوں زراعت کیج کر ان کے سارے جذبے سر ہونے لگے۔ والدہ سے ملنے کی اعلیٰ تعلیم کو خیر باد کہنا مستقبل کی تار تکی اور سب سے بڑھ کر باپ کی نافرمانی کی ان میں حسرت نہ تھی۔ وہ جس بات پر اڑ جاتے بھر انہیں مجبور کرنا نا ممکن تھا۔ وہ سر جھکا کر دامن اپنے کرتے میں آگے اور اپنی مصمصہ نوکھتہ صحت کے گلزار وقت سر جھانے پر غور سے لکھنے لگے۔ دل بھرا آواز انہیں بھی بھجے تھیں۔ بہت سوچتے رہے۔ دل خون ہوتا ہوا بھر باپ پر چڑھ پانے کی کوئی تدبیر کچھ نہیں آئی۔ ان کے کئی دوست ملازمت کیلئے سرگرمیوں میں تھے۔ کسی کو ملازمت کی بھی توفیق نہ تھی۔ معمولی اور بے مہارتی۔ وہ دیکھتے ہی تھے۔ کس طرح وہ لوگ تنگ دوش میں صرف تھے بھر بھی مرضی کے مطابق کام نہیں ملا۔

ان میں تو اپنی بہت ہی نہیں تھی کسی سے واقفیت نہ تھی۔ وہ تو باپ کے حوالے سے بچکانے جاتے تھے۔ چوری رات اور چوران نکالنے میں گزر گیا۔ مستقبل کو داد دے دے لے لے خود کو تیار نہ پاتے۔ آخر کار ایک فیصلہ کر لی لیا۔ راجہ کو بھول جانے کا فیصلہ کر کے وہ خود سے شرمندہ دھڑکے یہاں کے ماں باپ کا گھر اور ان کی بھڑکی کا رات خانا اور وہ انہیں نکالنا چاہتے نہیں کرتے تھے۔

راجہ نے ان کی آنکھوں میں بے ساختہ حاشا کرتی چای اور اس میں شام کا نام دی۔ وہ غور اور غور ہو گئی۔ اس نے اپنا نوکھتہ دھڑکے ان کے چہرے پر دیکھ لیا اور سانس روک کر ان کے ہونے کا انتظار کرنے لگی۔ انہوں نے اپنی ناکامی اور بے بسی کو چند الفاظ میں بیان کیا تو راجہ خوف زدہ ہو گئی بھر انہوں نے دھاتی اور دھتے دھاتی کے دانے سے ابھرتے اور اس کا خیال رکھنے کا وعدہ کیا۔

راجہ بھر گئی۔

”وہو۔۔۔ آپ کے وعدے بکے وعدے کیے جیسے ہوتے ہیں۔ میں تو آپ کی رشتہ داری پر ہی نام ہوں۔ وہ اپنی گھوٹانے کی آپ میں حسرت نہ ہوگی اور یہ تو میرا وہ جرم ہوگا جس کی سزا آپ کے والدین اور آپ کی پوری سوسائٹی مجھے ناز و غش دیتی رہے گی۔“

”جہانگاہ سے کام نہ لو رانی! میری بھی کچھ مجبوریاں ہیں اور میرے والدین کے بھی کچھ مسائل ہوں گے جو میری خواہش اور میری نہیں کر سکتے۔“

”آپ کی خواہش آپ کے مسائل۔۔۔ وہو۔۔۔ ہمارے مسائل سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔ جن سے بچنے میں ہماری تمام زندگی گزر جاتی ہے اور ہر مسئلہ ہوں قانون کا قلم قائم رہتا ہے اور جانے کہ دولت پر دم کو مدد مل کر دیتی ہے اور ہر غرضی فرج نکلتی ہے۔ آپ کے قلم بھی مدد مل ہو جائے گا اور آپ خوشیاں بھی فرج میں لیں گے۔ چلے مبارک ہو۔ ہم اپنے

دشمنوں اور دشمنوں کے ساتھ بیٹھیں گے۔ آپ کے بغیر سر نہیں چاہیں گے۔“ وہ اب شدت تم سے کاٹنے لگی۔

”نیکو رانی! مجھے کی کوشش کرو۔ میرے پاس دولت ہے۔ یہ اختیار۔ میں اپنے والد کا دست نگر ہوں۔ مجھے اعلیٰ تعلیم کی مراد ہے جو میں تم کی وساطت سے حاصل کر سکتا ہوں۔ بھڑکے کے اپنا مستقبل تاریک نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے تم کا سہارا چاہیے اسی میں مصلحت ہے۔“

”دیکھا وہی مصلحت میں لفظ ہے مجھے چاہے اور یہ لفظ آپ دونوں کے ہر مقصد کے درمیان موجد ہوتا ہے۔ یہ آپ نہیں آپ کے بیٹے کی بھڑکی ہے۔ چاہئے میں نے آپ کا پس منظر طاقت کے نام پر آپ کو صاف کیا۔“

انہوں نے بیٹے میں ان کا ہوا سانس بھر لیا۔ کسی نام کی طور پر اس نے انہیں صاف کر دیا تھا۔

”ماں! کہاں ہیں؟“

”میں نے انہیں جہانے سے باہر بھیج دیا تھا۔ مجھے یقین تھا مجھے اپنے مقصد پر یقین نہیں اپنے آپ پر اعتبار نہیں تو آپ کے وعدے پر کیسے اعتبار کرتی۔ اسی لئے تم کو سوراخ سے بھیج دیا کہ وہ کچھ نہیں نہ تھیں۔“

راجہ کے چہرے پر محبت کی ناکامی کا دکھ سیاہی بن کر پھیل گیا۔ اس کی آنکھیں بھی بھی ہوئی تھیں اور اس کے آنکھوں نے ان سے پردہ کیا ہوا تھا۔

”میں نے کوشش کی تھی رانی! کچھ میں نہیں ایک روشن مستقبل دینا چاہتا تھا۔ میں نے تم کو دل سے چاہا ہے اور ماسوں کے احسانات نے مجھے سر اٹھانے کے لائق نہیں دکھائے۔ میں ان کا جو بڑا کرنا چاہتا تھا۔ زندگی کا مجھے تجربہ نہیں تھا کہ میں

سے میں نے سیکھا ہے۔ زندگی وہ ذات نہ تھی جو انہوں نے گزرا تھیں جتنی ہے اور میں بھی اس احسان سے گزرا ہے۔ تم ناراض نہ ہو میڈیا۔ ہم سے ہیں تو ہمارے رشتے ایک ہیں گے۔ کبھی نہ کبھی ہر دو سو رہے۔“

راجہ بھٹک سے اڑنے والے مادے کی طرح بھڑکی۔ سر سے وہ پٹہ نچ کر چھ کر پڑی۔

”میں کیوں ناراض ہوتی آپ سے۔ آپ کون ہوتے ہیں میرے جو میں ناراض تھی کا حق استعمال کر رہی۔ احسان بھی آپ لیتے ہیں اور سرور بھی آپ ہوتے ہیں۔ ہم جیسے بے مایہ پس لوگ تو زندگی کے سامنے پار جاتے ہیں۔ یہ احسان میں نہیں ہوتا اور آزمائش میں ناکامی ہمارا مقصد ہے آپ کا نہیں۔ آپ ہمیشہ سے کچھ کی مشعل جلاتے ہیں اور ہم جھلنے لگتے ہیں۔ چاہئے آپ کا اور میرا رشتہ آج سے الگ ہو گیا ہے۔ خدا والا اب تو ہمارا کچھ چھوڑ دیتے ہونگی اور اپنی کھل کر کے کے ہمارے ہیں۔“

سمو کی روح پر کچھ کے تار پانے پوری قوت سے ٹپک رہے تھے۔ ان کا وجود در در کو بے سے ٹپک رہا تھا جس راجہ کی زبان رکے کا نام نہ لیتی تھی۔ استعمال میں اس نے وہ پٹہ ٹپک کر ان سے ہر شخص توڑ لیا ہے۔ کبھی وہ پٹہ تو ان کے درمیان تھا۔ کبھی ٹپکی کے انتظار میں چہرہ زحمت لینا تھا۔ کبھی خوشی سے آجیل لہراتا اور ان سے چھو جاتا۔ یہ اشارے کانے اپنا تپتہ کو ظاہر کرتے تھے اور وہ اپنے وہ پٹہ کو ٹپک کر پھیل گئی۔ گویا نہ کوئی رشتہ ہا نہ تھا ہونے اور جانے کا شوق۔ آج وہ کچھ جان کے راستے سے بہت گئی تھی۔ وہ باہر آکر دروازے کی چوکت پر بیٹھ گئے اور اپنے گھر جانے والے راستے کو لکھنے لگے۔ جب ہی اندر سے ماسوں کے بھڑکنے کی آواز آئی۔ آئے تھیں۔

”اس قدر کھاس کرنے کی کیا ضرورت تھی، سچی مرتبہ کھانا ہے۔ لو کیوں کو زبان کا استعمال تم سے کم کرنا چاہیے۔ کچھ کھانے کو بھی کام میں آنا چاہیے۔“

”میں غلط بات نہیں کرتی پ!“

”غلط اور کچھ کا فیصلہ تو میں بھی نہیں کر سکتا کرتی میری تربیت سے غلط فائدہ اٹھایا ہے۔ اس قدر جوش اور تپ سے میں آکر کیا ثابت کرنا چاہتی تھی تم۔ وہ اپنے ماں باپ کے احسانات کو فراموش کر کے تمہارے اشاروں پر چلے۔ سب کچھ چھوڑ دے اور تم اسے کیا دو گی؟ چٹائی، رسوائی، ذلت، غربت۔ یہ خوف ایسے کس راستے پر لے جاتا چاہتی تھی تم۔ مجھے بتاؤ۔ چاہی کے راستے پر۔ آج تم نے مجھے کس قدر ذلیل کر دیا۔ میں تو شرم کے مارے کرتے سے باہر نہیں نکلا۔ کیا کیے گا وہ۔ کبھی تعلیم ہے ماسوں کی؟ یہ تربیت ہے۔“

ماسوں نے جتنے میں تھے مگر نہایت تحمل سے بول رہے تھے۔

”پ!“ آپ مجھے آواز دے دیجئے۔ میں پاپ ہو جاتی۔“ راجہ سسکیاں لے کر رو رہی تھی۔ شاید بہت غرمندہ تھی۔

”میں نے انہیں جہانے سے باہر بھیج دیا تھا۔ مجھے یقین تھا مجھے اپنے مقصد پر یقین نہیں اپنے آپ پر اعتبار نہیں تو آپ کے وعدے پر کیسے اعتبار کرتی۔ اسی لئے تم کو سوراخ سے بھیج دیا کہ وہ کچھ نہیں نہ تھیں۔“

راجہ کے چہرے پر محبت کی ناکامی کا دکھ سیاہی بن کر پھیل گیا۔ اس کی آنکھیں بھی بھی ہوئی تھیں اور اس کے آنکھوں نے ان سے پردہ کیا ہوا تھا۔

”میں نے کوشش کی تھی رانی! کچھ میں نہیں ایک روشن مستقبل دینا چاہتا تھا۔ میں نے تم کو دل سے چاہا ہے اور ماسوں کے احسانات نے مجھے سر اٹھانے کے لائق نہیں دکھائے۔ میں ان کا جو بڑا کرنا چاہتا تھا۔ زندگی کا مجھے تجربہ نہیں تھا کہ میں

سے میں نے سیکھا ہے۔ زندگی وہ ذات نہ تھی جو انہوں نے گزرا تھیں جتنی ہے اور میں بھی اس احسان سے گزرا ہے۔ تم ناراض نہ ہو میڈیا۔ ہم سے ہیں تو ہمارے رشتے ایک ہیں گے۔ کبھی نہ کبھی ہر دو سو رہے۔“

راجہ بھٹک سے اڑنے والے مادے کی طرح بھڑکی۔ سر سے وہ پٹہ نچ کر چھ کر پڑی۔

”میں کیوں ناراض ہوتی آپ سے۔ آپ کون ہوتے ہیں میرے جو میں ناراض تھی کا حق استعمال کر رہی۔ احسان بھی آپ لیتے ہیں اور سرور بھی آپ ہوتے ہیں۔ ہم جیسے بے مایہ پس لوگ تو زندگی کے سامنے پار جاتے ہیں۔ یہ احسان میں نہیں ہوتا اور آزمائش میں ناکامی ہمارا مقصد ہے آپ کا نہیں۔ آپ ہمیشہ سے کچھ کی مشعل جلاتے ہیں اور ہم جھلنے لگتے ہیں۔ چاہئے آپ کا اور میرا رشتہ آج سے الگ ہو گیا ہے۔ خدا والا اب تو ہمارا کچھ چھوڑ دیتے ہونگی اور اپنی کھل کر کے کے ہمارے ہیں۔“

سمو کی روح پر کچھ کے تار پانے پوری قوت سے ٹپک رہے تھے۔ ان کا وجود در در کو بے سے ٹپک رہا تھا جس راجہ کی زبان رکے کا نام نہ لیتی تھی۔ استعمال میں اس نے وہ پٹہ ٹپک کر ان سے ہر شخص توڑ لیا ہے۔ کبھی وہ پٹہ تو ان کے درمیان تھا۔ کبھی ٹپکی کے انتظار میں چہرہ زحمت لینا تھا۔ کبھی خوشی سے آجیل لہراتا اور ان سے چھو جاتا۔ یہ اشارے کانے اپنا تپتہ کو ظاہر کرتے تھے اور وہ اپنے وہ پٹہ کو ٹپک کر پھیل گئی۔ گویا نہ کوئی رشتہ ہا نہ تھا ہونے اور جانے کا شوق۔ آج وہ کچھ جان کے راستے سے بہت گئی تھی۔ وہ باہر آکر دروازے کی چوکت پر بیٹھ گئے اور اپنے گھر جانے والے راستے کو لکھنے لگے۔ جب ہی اندر سے ماسوں کے بھڑکنے کی آواز آئی۔ آئے تھیں۔

”اس قدر کھاس کرنے کی کیا ضرورت تھی، سچی مرتبہ کھانا ہے۔ لو کیوں کو زبان کا استعمال تم سے کم کرنا چاہیے۔ کچھ کھانے کو بھی کام میں آنا چاہیے۔“

لائی نہیں۔ تم میرے دل میں رہتے ہو، میں نے تمہاری ذات میں اپنا آپ دیکھا ہے۔ میں اس کو دیکھ کر کچھ کرنا نہ ہوا چاہتا ہوں۔ میرا حوصلہ بند ہو جاتا ہے۔ مجھے مایوس نہ کرنا۔“

پاپ نہیں وہ کیا کہنا چاہتے تھے۔ سمور پر ان کی آواز اور دھڑکنے لگے۔ بہت اثر کیا تھا۔ انہوں نے اپنے جہان گرم ماحول میں ان کے سوتے سختی پاتھ قائم کر لیئے۔

”ماسوں۔۔۔ کبھی نہیں۔ میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔“

لیکن اس کے بعد وہ ان سے نہیں ملے اور اب راجہ نے بھر دیا دیا تھا۔ وہ جو سب کچھ بھولنے کی کوشش میں اپنی ذات فراموش کر چکے تھے۔ اپنی فانی مصمصہ صحت کی یاد پر بھی وہ یہ نہ جان سکے تھے کہ یہ اپنی گہری اور پائیدار ہو گئی کہ ان کے ذہن سے اس کا خیال کبھی نکل نہ سکے گا۔ انہیں اس کا اعزاز اس دن بھی نہیں

دے آئے اور نام ہونوں کو چھوڑا ہے۔ میری طرح۔ راجہ نے بیٹھ نہیں دیکھا ہے اور کبھی کسی سے وہ اپنی محسوس نہیں کیا۔ سفینے سے بھی نہیں جو میرے بیٹے کی ماں تھی۔

رانی! تم سو رہی ہو اور تمہارا نام اس گھر سے اس وجود میں اپنے زندہ ہے جیسے تم خود اس گھر سے میں جہاں تم رات کو لیڈ کو ڈال دیتی تھیں۔ وہی الفاظ، وہی اعزاز، وہی لب و لہجہ۔ تم نے ماسوں کی بھی اسی طرح نقل کی جیسے دوسروں کی کیا کرتی تھیں۔“

راجہ سوئی نہیں تھی۔ اس کے بازو پر فیڈ کا سر تھا اور راجہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھجک رہی تھیں۔ ماسوں پہلے تم نے اسے بک بک کرنے پر جس طرح ڈاکا تھا، بالکل اسی طرح ابھی الفاظ میں اس نے فیڈ کو کھانا تھا۔ وہ خود اپنی آواز اور اعزاز پر حیران رہ گئی تھی۔ اسے برسوں بعد بھی وہ ان لفظوں کو اپنی تربیت سے استعمال کر کے خود کو



کی جگہ پر کرنے کے قابل نہیں بن سکتی تھی۔ اسے احساس تھی۔ وہ لیڈ کے لیے ماں باپ کی جگہ نہیں لے سکتی ہے۔

تم نے فیڈ کی زندگی پر اس کے احسانات پر اپنے اثرات اس قدر گہرے چھوڑے تھے کہ وہ راجہ کو باپ کی جگہ اپنے کے لیے چار دیتی۔ جب راجہ کی جانب سے غرمندہ رہتے تھے اور سمور لہو نہ چلے گئے تو کچھ لوگوں نے انہیں دوسری شادی کے لیے اکسایا۔ ان کا خیال تھا کہ سمور کا گھر میں سمور نہ رہتا بہت ضروری ہے۔ اسی لیے راجہ کے لیے کوئی رشتہ جو نہ تاکہ گھر میں مال سے نہ کوئی بزرگ سمور۔ تم کو راجہ کے مستقبل کی اپنی گوارا تھی کہ وہ یہ چاہے کہیں پر راضی ہو گئے اور ایک بیوہ کی وحشی مگر بی بی شادی کر کے راجہ کو حیرت افغان میں جھکا کر دیا۔ ماسر صاحب کی فریت نے بی بی کو بہت جلد اکا۔ وہ سمور کا مالہ دلوں کے طرد ملنے لگے انہیں باور کرایا کہ کوئی بھی ماسر صاحب کو اپنے بڑا نہیں سمجھتا۔ اس کا بہت بڑا اثر چاروں سکول کی فوری ختم ہو گئی اور چند لڑکیوں پر ہی مگر کی دال روٹی کا دارودار تھا۔

جب کبھی بار بار اسے زندگی کے مسائل اور ان کی سختی کا احساس ہوتا۔ وہ خود بہت معاملہ فہم اور تجربہ کار تھی جتنی مگر زندگی نے جانے کئے احسان اس کے لیے جس کے ہوتے تھے۔

بی بی! فیڈ کا قلم دیکھو تو قلم غرضی سمجھنے کی اور راجہ پر حکومت کرنے کی۔ تم کو اس کا جو پٹہ نہ تھا۔ وہ انہیں خاطر میں کب لائی تھی۔ آئے دن غربت کے پٹے دیکھ انہیں ڈنگی کرتی۔ رشتے داروں کے گزب اور پریشانوں میں گھر سے تم چار ہو گئے۔

تاکہ راجہ انہیں نقلی دینی حوصلہ دہانی مگر وہ دوسری شادی کر کے اس قدر بچتے رہے تھے کہ اب انہیں کوئی جملہ کوئی دلاسا نہ دینی کی طرف سمجھنے میں کامیاب نہ ہوتا۔ راجہ کا مسئلہ تو کمال ہوتا۔ راجہ فیڈ ایک سوال ہی نہ تھا کہ اس کے احساس پر جو بہت تھی۔

راجہ نے کچھ دلوں کی وساطت سے سکول میں نوکری کر لی۔ تم کے شاگردوں کو چھانے کی امداد دینی قبول کر لی اور کچھ سال ہی گئے۔ تم کے شاگرد مگر کی دال روٹی کا سہارا نہ کیا۔ تم کو راجہ کی ملازمت سے دیکھ بچاؤ۔

اور جی ماں کے لئے بڑے بڑے تھے۔ اس کی فرمائش ناقابل برداشت ہو گئیں۔ راجہ میرا برداشت سے شکایت کا سامنا کر رہی تھی۔ اب اس کے لیے کوئی رشتہ آتا بھی تو ماں انکار کر دیتی۔ اس کے پاس جواز نہ ہوتا تھا۔ وہ مگر کو سنبھلنے ہوئے تھی۔ شادی ہو جاتی تو کمانی سے ہاتھ دھوئے پڑتے۔ راجہ بھی باپ، بہن اور ماں کو بے آسرا چھوڑ کر شادی پر جانے کے حق میں نہ تھی مگر تم زور دیتے کہ راجہ کو شادی کر لینی چاہیے۔ اللہ راز ہے وہ اتنا ہی بڑا کرے گا۔

ایک روز اپنے ہی موقع پر فیڈ کی لڑ بھڑک گھر سے چلی گئی اور بھر نہیں آئی۔ تم حیرت فٹ پھوٹ گئے۔ اب وہ دن بھی اسی آنسوؤں سے رو دیا کرتے۔ پہلے راجہ سے آسو چھاتے تھے۔ اب اس بھی اختیار نہ تھا۔ تم نے آخری ایام غم کی میں راجہ کو بھارے گزرتے۔ وہ بھی کبھی سمور کو بھی جاتے مگر سمور لہروں سے آنے کے بعد ملازمت اور

امری کی تلاش میں سرگرداں تھے۔

تم کے حوالے کے لیے راجہ نے ساری ملازمت صرف کر دی۔ مکان کچھ کران کا بھرتے بھر مکان کرایا اور ایک بہت چھوٹا ماسر چھانے کے لیے مکان ہو رہا تھے۔ دلوں کی مدد سے فرج لیا مگر موت کا کسی کے پاس علاج نہ تھا اور ڈاکٹر کہتے تھے۔ وہ زندگی کے خواہاں نہیں ہیں۔ اس لیے موت سے قریب تر ہو رہے ہیں۔“

آخر کار وہ بھرت دار، جتنی، علم کار، سچا جو لوگوں میں بھی تقسیم کرتا رہا ساری زندگی ایک ہی مقصد کے تحت گزار کر اپنے مالک جتنی سے چھانے۔ ان کی موت پر چند مہینے آئے مگر جوں جیسے موت کی چوڑی کا شعرو ہو۔ صرف سمور کی اپنی ہی راجہ کے دلا سے کے لیے تھیں ان اس ایک کرتے کے مکان میں بھڑکی کی کہرت کے در چہ اور سمور نے قوا چنے اس چاہنے والے ماسر صاحب کی صورت دیکھنے کی بھی اذیت دی جن کے احسانات کا ذکر کرتے وہ نہ سمجھتے تھے۔

راجہ نے انہیں منجلی، غور طرح کا خطاب دے کر دل کا کھانا لیا۔ اب اسے سمور کی کردار تھا۔ راجہ کو پانا تھا۔ کس طرح ان بیٹے سال سے اور اس نے کسی کی بدقول کیے بغیر فیڈ کو اس قابل کر دیا کہ وہ بھی محنت میں اس کا ہاتھ ڈالنے لگی۔ مگر دور کی رشتہ کی خال کو راجہ کا خیال آ پ۔ آس پاس ایک بھر دو لوگ تھے۔

مگر جہان لڑکی کی شادی کے لئے سب نے مشورہ کر کے خال کا اختیار دے دیا۔

وہ دن بھی راجہ کی زندگی میں آتا تھا اس کی خوشامد ہی، وہ مسکایا کچھ کام نہ آئیں اور خال نے اپنے کچھ مہینے سے اس کا رشتہ کر دیا۔ وہ اس روز بہت روٹی مگر اب اسے زندگی بھر دیا تھا یا اسے یقین تھا اس کی قسمت میں کوئی غم بھی آئے گی یہ توقع اسے نہ تھی۔

سسرال کا جگہ بھی شہر دالی نہ تھی کئی دہا تو ایسا غامض ہوا جیسے اس کا وجود ہی نہ تھا۔ چار دن انتظار کر کے ساس اسے دامن مگر پہنچا کی جہاں خال مہتری لیڈ کے ساتھ مہتری جس کے بھائی کو گھر بار کا کر دیا۔ راجہ کو اب کسی بات سے خوف نہ آتا۔ وہ دولت محسوس ہوتی۔ نہ غم ہوتا۔ اس نے اسے تم سے تھے کہ ہر صدمہ تو حل کرنے کا تار رانی۔ اپنی ذات کی بھی اسے یہ دوا نہ رہی تھی مگر اپنی لڑکی جو محبت کا اظہار کر کے ہر شخص کی بھلی تھی اس نے خود اسے اپنی نظروں میں ذلیل کر دیا تھا۔ سمور کی مدد سے اسے حیرت بستی میں گرا دیا تھا۔ ہر طرف غم اور غمروں کے سامنے نظر آتے تھے۔ فیڈ کی تربیت الگ ایک احسان تھا۔

شادی کے ایک ہفتے بعد طلاق بھی آگئی۔ اب وہ ختمی اور فیڈ کا کھڑا سہارا۔ سہارا مہتری خال نے بھی دینا چھوڑا مگر اب وہ حیرت کی تجربے کے لئے تیار نہ تھی۔

فیڈ بڑی بوری تھی اور اس کے سکول کے فرج بھی بڑھ رہے تھے۔ راجہ اسے بہت حوصلہ کے ساتھ پر حادری تھی مگر کچھ سکول میں ہر روز کوئی نہ کوئی فرج کا جواز لٹا اور فیڈ کھیل میں اچھی پڑھن لکھن جی اس کے لئے بہت ٹپک ٹپک رہتا تھا۔

(چاری ہے)

چند دن سے وہ اپنی جو بیگم اور بیس شوز کے لئے غصہ کر رہی تھی۔ راجہ اس کی تک دودھ میں بھی ہوتی تھی کہ اہلکار میں اس نے اشتہار دیکھا۔ اشتہار سمجھ کر جانب سے دیا گیا تھا۔ انہیں ایک جہان اور تعلیم یافتہ آیا کی ضرورت تھی۔ دوسو سچی رہی کہ انہیں کہ نہ جانوں۔ پچھلے دنوں اس کی بیوی کس حراج کی ہوئی۔ امیر لوگوں کے چوہلے بھی ٹوب ہوتے ہیں۔ کیا وہ ایک سچی بیوی پال سکتی۔ کبھی اسے دیکھ کر سمجھ کر کہہ دے کہ آخر کار غرض مند ہو کر آتی تھیں مگر وہ بری کا سودا کرنے چاہتے گی۔

یہ سوچ کر وہ رفیق کو تیار ہونے کا کہہ کر خود بھی چاری کرنے لگی۔ اسے یقین نہ تھا کہ یہ عازمت اسے مل جائے گی۔ سود کو اعتراض ہو گا۔ پھر بھی اس کی آئے آئے کے وہ اپ میں شاید پہنہ نہ کریں۔ وہ دھڑکنے والے ساتھ یہ سوں بعد ان کے اشتہار گھر میں داخل ہوئی تو پھر بھی اس نے نہ چاک خیر مقدم کیا تھا۔ اس نے اول اول ان کی خبر سے اور رافقت کرنے کا بیان دیا پھر ان کے "مگر رافقت کیسے ہوتی ہے" کے سوال پر مدعا دیا پھر ان کے لائی۔

افغانی سے سود بھی گھر آئے۔ ان سے ملاقات بھی راجہ دینی رہی۔ وہ ابھی تک ان کی بیوی سے نہیں ملی تھی۔ اسے سود میں بہت فرق محسوس ہوا تھا۔ وہ بہت مگر سے مگر، پیر پیر سے لگے۔ نہ صاحب ہونے نہ کچھ چ چھا۔ اسے اپنے ماموں کی تحریک سے کدو افغانی کی کہہ رہے۔

دن گزر گیا اور پھر بھی اس نے سود سے ذکر تک نہیں کیا۔ جانے ان کی بیوی کس جگہ سے تھیں کہ اس نے ان کی صورت ہی نہیں دیکھی۔ سچ اربعہ سال کا تھا پھر بھی اس نے تیار شدہ شادی پر راضی ہی نہیں تھی۔ ہر روز شادی کی گئی۔ تین سال پہلے آف۔ سود نے اپنی لیت شادی کیوں کی؟ ان کو امیر زادوں کی تو نہ ہوئی۔ پھر بھی اس نے بارش کا بیان کر کے راجہ کو کہ لیا حالانکہ وہ ایک لک کی بیوی ہوئی تھیں عازمہ زادیاں تھیں وہ تو ایک محنت کش باپ کی بیٹیاں تھیں۔

رات کو پھر بھی اس نے اپنی دنی زبان سے بتایا۔ "سود کی بیوی سے ہی نہیں دیکھی گی ہے۔"

اس نے اپنے شاندار مگر یہ خوب صورت شہر اور چارہ بزار اچھے۔ نیند نہ آنے سے اسے گھبراہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ خیالات کا جھوم تھا۔ کمرے میں بھی معلوم ہو رہا تھا۔ پچھلے سے کاپ کرس نے کھڑکی بند کر دی۔ اس کی زندگی بھی اس رات بھی تاریک تھی۔

سے عازمت تارک اور سرد۔ مگر اس رات کی کچھ روشنی اور امید کی کرنوں کے ساتھ طلوع ہوئی۔ پھر راجہ کی زندگی اسید اور سچے خالی تھی کوئی لپٹ نہیں تھی۔ لہذا سانس لے کر وہ لپٹ آئی۔ پھر بھی اس کے کمرے سے اس کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔

"پھر بھی اس سواری میں ان کے اور اسے بھوکا ہے۔ گھبراہٹ بھی گہری نیند میں ہوئی۔ بے چارہ سچ۔ پچھلے دنوں اس کی اس سے بھوکا کر کے بلی گئی۔ اس سواری اس سے کیوں نہ ہوتی؟"

سود کوئی زیادتی بھی کر سکتے ہیں اسے یقین نہ تھا مگر جوت اپنے بچے کو بھرتہ بھرتہ کی حالت میں چھوڑتی ہے۔ اسے عازمت کر لینی چاہیے تھی۔ یہ امیر لوگ شاید ہر کام بغیر سوچے بچھے کر بیٹھتے ہیں مگر اپنے کا تو سوچا ہوتا۔ بہت غیر محظوظ ہوتا ہے سچے ماں کے بغیر۔ اس کی شخصیت ہی بگڑ جاتی ہے۔ اس نے رفیق کو بے حد محبت اور دلدادگی سے پرورش کیا تھا۔ کوشش کی تھی کہ اسے ماں کی غیر موجودگی کا احساس نہ ہو مگر وہ اپنی کوشش میں پوری طرح کامیاب نہ ہوئی۔ ماں کی شفقت بھری گود کا رفیق کو خوب اندازہ تھا۔ وہ گھبراہٹ تھی۔ جب ماں سے بیٹھے تھی عزم ہوئی۔

اب یہ سچ۔ اس کا جگہ جگہ کر رہا اس کے اعصاب کو کھٹکا رہا تھا۔ ماں ہوتی تو وہ اتنی دیر تک کہاں رہتا۔ وہ بیٹے سے لپٹ لپٹ، بھلا سچی اس کی تکلیف کا اندازہ کرتی کیا؟

اسد پر وہ رونا تھا۔ بہت کر کے اس نے گہری کا دروازہ کھولا۔ بجوئی سے پھر پھر اس کے کمرے کی طرف دیکھی۔ ماں کا اور اندازہ بند نہ تھا۔ اسے پچھلے چاروں دنوں کا رونا خوب لپٹیں دار رہا مگر گھبراہٹ سے

خبر سواری تھی۔ پھر بھی اس کے کمرے میں نہ تھیں۔ وہ اپنے کی جانب پہنچی تھی کمرے کے اندر درمیان کا دروازہ کھلا اور سود نے کمرے میں قدم رکھے۔ وہ بھی اصرار کی طرف لپٹے تھے مگر انہیں فوراً اندازہ ہو گیا کہ کمرے میں اسی نہیں ہیں اور راجہ نے اسد کو اپنی گود میں اٹھا لیا ہے۔ اسے بھلا رہی ہے۔ بہتر درست کر دی ہے اور اب وہ نہ سکون ہو کر راجہ کی اگلی سے نکلیں رہا ہے۔ بالکل اس طرح جیسے سود کی اگلی سے نکلیں گے۔

انہیں اپنا کمرہ ہے وہ محسوس ہونے لگی اور دوسرے صبر سے قدم اٹھاتے ہوئے کمرے میں داخل ہو گئے۔ نیند نے انہیں اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

کچھ بہت سویرے راجہ نے جب پھر بھی اس سے دعا کی کہ اجازت طلب کی تو وہ بچہ ہو گئی۔ اس کے باج اور مگر منہ پیرے پر بھی روتی تھی کہ چھوڑنا کہہ کر آسان تھا۔ ان کا دل دکھ گیا۔ وہ تو رات کو ناز سے فارغ ہو کر وہ تک لپٹے چھوڑنا کہتی تھیں مگر آج خط کی وجہ سے زیادہ دیر نہیں چھو سکیں۔ بہتر پیرٹ کیں کیں کیں خیالات کے جھوم نے انہیں زیادہ دیر تک سنے نہیں دیا۔ راجہ کی حسرت تاک زندگی اور رفیق کا شوق و شوقیہ اس کی طرف سے وہ سب کے ساتھ انصاف کرنا چاہتی تھیں۔ ان کی زندگی بھی اب چراغ مری تھی اور وہ اپنی زندگی میں سب کو مناسب اور محظوظ رکھ کر دیکھنے کی کوشش تھیں انہیں راجہ سے بے حد ہمدردی تھی۔

اگر ان کے شوہر چند بھائی کی غریب کو ہمارا مسئلہ نہ چاہتے تو آج وہ ان کے کمرے کی بیوی ہوتی۔ اب بھی وقت گزرا نہیں۔ سود نے کمرے در و درو کے بعد شادی کی حالی بھری تھی۔ وہ تو اس میں بھی تھیں مگر ان کی ترقی کی خاطر سود نے شادی کی اور انہیں پاتے کی صورت بھی رکھا دی۔

وہ خدا کا شکر ادا کرتے تھیں۔ وہ بچے رات کو انہیں نے سچ کا کمرہ کھول کر بھانپا۔ سود خوف معمول جاگ رہے تھے اور بچہ رہے تھے۔ ان کے پیرے پر اضطراب کی کیفیت تھی اور وہ سوچ میں اوبے ہوئے تھے۔ وہ سوچتے تھیں۔

"اے میرا سچا والدین کی خواہش پر قربان ہو گیا۔ کمرے در و درو کرتا ہے۔ ماں اور عزم بہت، برکت میرے گھر زندگی سے بے زار۔ اسکا ہوا رہتا ہے۔ سیزنے زراہی محل سے کام لیا ہوتا تو سود کی حالت یہ نہ ہوتی۔ وہ ان سے آنے کے بعد بھی باپ سے ناراض تھے مگر جہد کر کے تھے اس لئے راجہ سے ملنے نہیں گئے انہوں نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ لنگھائی نہ تھا کوئی زندہ آدمی ہے۔ اس ایک بار جب ان کی شادی ملے ہوگی، انہوں نے اس کے کندھے پر سر رکھ کر سچی تھی۔

"اسی اب بھی کچھ ہو سکتا ہے۔ خدا کا کچھ بچے۔ میں میری عازمت میں کب تک مجرم بن رہوں گا اور کتنی سزا بھگتوں گا؟"

مگر وہ سوچیں۔ راجہ کا ہاتھ بھی منہ سے نہ نکالا کہ نہیں پنگاری میں کوئی حرارت چھپتے سے شعلہ نہ بن جائے۔ ابھی کچھ دن پہلے وہ سود کی الماری صاف کر دی تھیں۔ ان کے کانچ کے زمانے کے کتے کی کاغذ کا پلاس اور دی انہوں نے بیٹھک دی تھی۔ جب ہی سود نے آکر کاغذات کے اہلکار کیے اور ان میں سے حلال کر کے پرانی ہی ایک کاپی نکالی۔ اسے بھلا اور اٹھا کر الماری میں رکھ دیا۔

"میں نے سب دیکھ بھال کر بیٹھا ہے۔ یہ پرائی کاپی ہے اس میں کچھ نہیں ہے۔"

"اسی دیکھو اس پر میرا سب بھارت ہے۔" انہوں نے سر دھار کر شہر پر حاد۔

اس میں میری بہت سچی تصویریں ہیں اس میں باقی ہے میرا اور میرا صاحب اگلے دن انہوں نے سارا کمرہ از سر نو کھینچ کر کے کمرے کے کچے سے کاپی نکالی۔

جب انہیں اندازہ ہوا جس پنگاری کو وہ بچا ہوا کمرہ بھی تھیں۔ اس میں آج بھی وہی حرارت ہے۔ اول دن سے سگ رہی ہے۔ یہ پرائی ان کے فریقین کے واقعات سے بھری ہوئی تھی۔

"راجہ۔ راجہ۔ ماموں۔ غصہ زندگی، غصہ محبت، ماموں نے زندگی کی تحریک کی۔ راجہ نے جانے میں کوئی سی لائی تھی۔ وہ بستی ہے تو روشنی ہی ہو جاتی ہے۔ مجھے اس کی بھی پند ہے اور اس کی کھلی بھی۔ آج میں ماموں کا کھل تک بھول جائے گی۔ آج اس نے حراج اریلیڈ بنایا۔"

بیس لکھی ہی معلوم باتوں سے کاپی بھری ہوئی تھی۔ نہ محبت بھرے شعر تھے، نہ راجہ کی تحریک میں ملنے سچا ہونے تھے۔ تحریک تھی تو اس کی۔ ان

کی شخصیت پر شاندار الفاظ میں قصیدے تھے۔ ان کی محبت، طلسم، بے غرضی، ایثار و قربانی کا کاہلہ دکھا اور سود نے کمرے میں قدم رکھے۔ وہ بھی اصرار کی طرف لپٹے تھے مگر انہیں فوراً اندازہ ہو گیا کہ کمرے میں اسی نہیں ہیں اور راجہ نے اسد کو اپنی گود میں اٹھا لیا ہے۔ اسے بھلا رہی ہے۔ بہتر درست کر دی ہے اور اب وہ نہ سکون ہو کر راجہ کی اگلی سے نکلیں رہا ہے۔ بالکل اس طرح جیسے سود کی اگلی سے نکلیں گے۔

انہیں اپنا کمرہ ہے وہ محسوس ہونے لگی اور دوسرے صبر سے قدم اٹھاتے ہوئے کمرے میں داخل ہو گئے۔ نیند نے انہیں اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

کچھ بہت سویرے راجہ نے جب پھر بھی اس سے دعا کی کہ اجازت طلب کی تو وہ بچہ ہو گئی۔ اس کے باج اور مگر منہ پیرے پر بھی روتی تھی کہ چھوڑنا کہہ کر آسان تھا۔ ان کا دل دکھ گیا۔ وہ تو رات کو ناز سے فارغ ہو کر وہ تک لپٹے چھوڑنا کہتی تھیں مگر آج خط کی وجہ سے زیادہ دیر نہیں چھو سکیں۔ بہتر پیرٹ کیں کیں کیں خیالات کے جھوم نے انہیں زیادہ دیر تک سنے نہیں دیا۔ راجہ کی حسرت تاک زندگی اور رفیق کا شوق و شوقیہ اس کی طرف سے وہ سب کے ساتھ انصاف کرنا چاہتی تھیں۔ ان کی زندگی بھی اب چراغ مری تھی اور وہ اپنی زندگی میں سب کو مناسب اور محظوظ رکھ کر دیکھنے کی کوشش تھیں انہیں راجہ سے بے حد ہمدردی تھی۔

اگر ان کے شوہر چند بھائی کی غریب کو ہمارا مسئلہ نہ چاہتے تو آج وہ ان کے کمرے کی بیوی ہوتی۔ اب بھی وقت گزرا نہیں۔ سود نے کمرے در و درو کے بعد شادی کی حالی بھری تھی۔ وہ تو اس میں بھی تھیں مگر ان کی ترقی کی خاطر سود نے شادی کی اور انہیں پاتے کی صورت بھی رکھا دی۔

وہ خدا کا شکر ادا کرتے تھیں۔ وہ بچے رات کو انہیں نے سچ کا کمرہ کھول کر بھانپا۔ سود خوف معمول جاگ رہے تھے اور بچہ رہے تھے۔ ان کے پیرے پر اضطراب کی کیفیت تھی اور وہ سوچ میں اوبے ہوئے تھے۔ وہ سوچتے تھیں۔

"اے میرا سچا والدین کی خواہش پر قربان ہو گیا۔ کمرے در و درو کرتا ہے۔ ماں اور عزم بہت، برکت میرے گھر زندگی سے بے زار۔ اسکا ہوا رہتا ہے۔ سیزنے زراہی محل سے کام لیا ہوتا تو سود کی حالت یہ نہ ہوتی۔ وہ ان سے آنے کے بعد بھی باپ سے ناراض تھے مگر جہد کر کے تھے اس لئے راجہ سے ملنے نہیں گئے انہوں نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ لنگھائی نہ تھا کوئی زندہ آدمی ہے۔ اس ایک بار جب ان کی شادی ملے ہوگی، انہوں نے اس کے کندھے پر سر رکھ کر سچی تھی۔

"اسی اب بھی کچھ ہو سکتا ہے۔ خدا کا کچھ بچے۔ میں میری عازمت میں کب تک مجرم بن رہوں گا اور کتنی سزا بھگتوں گا؟"

مگر وہ سوچیں۔ راجہ کا ہاتھ بھی منہ سے نہ نکالا کہ نہیں پنگاری میں کوئی حرارت چھپتے سے شعلہ نہ بن جائے۔ ابھی کچھ دن پہلے وہ سود کی الماری صاف کر دی تھیں۔ ان کے کانچ کے زمانے کے کتے کی کاغذ کا پلاس اور دی انہوں نے بیٹھک دی تھی۔ جب ہی سود نے آکر کاغذات کے اہلکار کیے اور ان میں سے حلال کر کے پرانی ہی ایک کاپی نکالی۔ اسے بھلا اور اٹھا کر الماری میں رکھ دیا۔

"میں نے سب دیکھ بھال کر بیٹھا ہے۔ یہ پرائی کاپی ہے اس میں کچھ نہیں ہے۔"

"اسی دیکھو اس پر میرا سب بھارت ہے۔" انہوں نے سر دھار کر شہر پر حاد۔

اس میں میری بہت سچی تصویریں ہیں اس میں باقی ہے میرا اور میرا صاحب اگلے دن انہوں نے سارا کمرہ از سر نو کھینچ کر کے کمرے کے کچے سے کاپی نکالی۔

جب انہیں اندازہ ہوا جس پنگاری کو وہ بچا ہوا کمرہ بھی تھیں۔ اس میں آج بھی وہی حرارت ہے۔ اول دن سے سگ رہی ہے۔ یہ پرائی ان کے فریقین کے واقعات سے بھری ہوئی تھی۔

"راجہ۔ راجہ۔ ماموں۔ غصہ زندگی، غصہ محبت، ماموں نے زندگی کی تحریک کی۔ راجہ نے جانے میں کوئی سی لائی تھی۔ وہ بستی ہے تو روشنی ہی ہو جاتی ہے۔ مجھے اس کی بھی پند ہے اور اس کی کھلی بھی۔ آج میں ماموں کا کھل تک بھول جائے گی۔ آج اس نے حراج اریلیڈ بنایا۔"

بیس لکھی ہی معلوم باتوں سے کاپی بھری ہوئی تھی۔ نہ محبت بھرے شعر تھے، نہ راجہ کی تحریک میں ملنے سچا ہونے تھے۔ تحریک تھی تو اس کی۔ ان

کی شخصیت پر شاندار الفاظ میں قصیدے تھے۔ ان کی محبت، طلسم، بے غرضی، ایثار و قربانی کا کاہلہ دکھا اور سود نے کمرے میں قدم رکھے۔ وہ بھی اصرار کی طرف لپٹے تھے مگر انہیں فوراً اندازہ ہو گیا کہ کمرے میں اسی نہیں ہیں اور راجہ نے اسد کو اپنی گود میں اٹھا لیا ہے۔ اسے بھلا رہی ہے۔ بہتر درست کر دی ہے اور اب وہ نہ سکون ہو کر راجہ کی اگلی سے نکلیں رہا ہے۔ بالکل اس طرح جیسے سود کی اگلی سے نکلیں گے۔

انہیں اپنا کمرہ ہے وہ محسوس ہونے لگی اور دوسرے صبر سے قدم اٹھاتے ہوئے کمرے میں داخل ہو گئے۔ نیند نے انہیں اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

کچھ بہت سویرے راجہ نے جب پھر بھی اس سے دعا کی کہ اجازت طلب کی تو وہ بچہ ہو گئی۔ اس کے باج اور مگر منہ پیرے پر بھی روتی تھی کہ چھوڑنا کہہ کر آسان تھا۔ ان کا دل دکھ گیا۔ وہ تو رات کو ناز سے فارغ ہو کر وہ تک لپٹے چھوڑنا کہتی تھیں مگر آج خط کی وجہ سے زیادہ دیر نہیں چھو سکیں۔ بہتر پیرٹ کیں کیں کیں خیالات کے جھوم نے انہیں زیادہ دیر تک سنے نہیں دیا۔ راجہ کی حسرت تاک زندگی اور رفیق کا شوق و شوقیہ اس کی طرف سے وہ سب کے ساتھ انصاف کرنا چاہتی تھیں۔ ان کی زندگی بھی اب چراغ مری تھی اور وہ اپنی زندگی میں سب کو مناسب اور محظوظ رکھ کر دیکھنے کی کوشش تھیں انہیں راجہ سے بے حد ہمدردی تھی۔

اگر ان کے شوہر چند بھائی کی غریب کو ہمارا مسئلہ نہ چاہتے تو آج وہ ان کے کمرے کی بیوی ہوتی۔ اب بھی وقت گزرا نہیں۔ سود نے کمرے در و درو کے بعد شادی کی حالی بھری تھی۔ وہ تو اس میں بھی تھیں مگر ان کی ترقی کی خاطر سود نے شادی کی اور انہیں پاتے کی صورت بھی رکھا دی۔

وہ خدا کا شکر ادا کرتے تھیں۔ وہ بچے رات کو انہیں نے سچ کا کمرہ کھول کر بھانپا۔ سود خوف معمول جاگ رہے تھے اور بچہ رہے تھے۔ ان کے پیرے پر اضطراب کی کیفیت تھی اور وہ سوچ میں اوبے ہوئے تھے۔ وہ سوچتے تھیں۔

"اے میرا سچا والدین کی خواہش پر قربان ہو گیا۔ کمرے در و درو کرتا ہے۔ ماں اور عزم بہت، برکت میرے گھر زندگی سے بے زار۔ اسکا ہوا رہتا ہے۔ سیزنے زراہی محل سے کام لیا ہوتا تو سود کی حالت یہ نہ ہوتی۔ وہ ان سے آنے کے بعد بھی باپ سے ناراض تھے مگر جہد کر کے تھے اس لئے راجہ سے ملنے نہیں گئے انہوں نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ لنگھائی نہ تھا کوئی زندہ آدمی ہے۔ اس ایک بار جب ان کی شادی ملے ہوگی، انہوں نے اس کے کندھے پر سر رکھ کر سچی تھی۔

"اسی اب بھی کچھ ہو سکتا ہے۔ خدا کا کچھ بچے۔ میں میری عازمت میں کب تک مجرم بن رہوں گا اور کتنی سزا بھگتوں گا؟"

مگر وہ سوچیں۔ راجہ کا ہاتھ بھی منہ سے نہ نکالا کہ نہیں پنگاری میں کوئی حرارت چھپتے سے شعلہ نہ بن جائے۔ ابھی کچھ دن پہلے وہ سود کی الماری صاف کر دی تھیں۔ ان کے کانچ کے زمانے کے کتے کی کاغذ کا پلاس اور دی انہوں نے بیٹھک دی تھی۔ جب ہی سود نے آکر کاغذات کے اہلکار کیے اور ان میں سے حلال کر کے پرانی ہی ایک کاپی نکالی۔ اسے بھلا اور اٹھا کر الماری میں رکھ دیا۔

"میں نے سب دیکھ بھال کر بیٹھا ہے۔ یہ پرائی کاپی ہے اس میں کچھ نہیں ہے۔"

"اسی دیکھو اس پر میرا سب بھارت ہے۔" انہوں نے سر دھار کر شہر پر حاد۔

اس میں میری بہت سچی تصویریں ہیں اس میں باقی ہے میرا اور میرا صاحب اگلے دن انہوں نے سارا کمرہ از سر نو کھینچ کر کے کمرے کے کچے سے کاپی نکالی۔

جب انہیں اندازہ ہوا جس پنگاری کو وہ بچا ہوا کمرہ بھی تھیں۔ اس میں آج بھی وہی حرارت ہے۔ اول دن سے سگ رہی ہے۔ یہ پرائی ان کے فریقین کے واقعات سے بھری ہوئی تھی۔

"راجہ۔ راجہ۔ ماموں۔ غصہ زندگی، غصہ محبت، ماموں نے زندگی کی تحریک کی۔ راجہ نے جانے میں کوئی سی لائی تھی۔ وہ بستی ہے تو روشنی ہی ہو جاتی ہے۔ مجھے اس کی بھی پند ہے اور اس کی کھلی بھی۔ آج میں ماموں کا کھل تک بھول جائے گی۔ آج اس نے حراج اریلیڈ بنایا۔"

بیس لکھی ہی معلوم باتوں سے کاپی بھری ہوئی تھی۔ نہ محبت بھرے شعر تھے، نہ راجہ کی تحریک میں ملنے سچا ہونے تھے۔ تحریک تھی تو اس کی۔ ان

کی شخصیت پر شاندار الفاظ میں قصیدے تھے۔ ان کی محبت، طلسم، بے غرضی، ایثار و قربانی کا کاہلہ دکھا اور سود نے کمرے میں قدم رکھے۔ وہ بھی اصرار کی طرف لپٹے تھے مگر انہیں فوراً اندازہ ہو گیا کہ کمرے میں اسی نہیں ہیں اور راجہ نے اسد کو اپنی گود میں اٹھا لیا ہے۔ اسے بھلا رہی ہے۔ بہتر درست کر دی ہے اور اب وہ نہ سکون ہو کر راجہ کی اگلی سے نکلیں رہا ہے۔ بالکل اس طرح جیسے سود کی اگلی سے نکلیں گے۔

انہیں اپنا کمرہ ہے وہ محسوس ہونے لگی اور دوسرے صبر سے قدم اٹھاتے ہوئے کمرے میں داخل ہو گئے۔ نیند نے انہیں اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

کچھ بہت سویرے راجہ نے جب پھر بھی اس سے دعا کی کہ اجازت طلب کی تو وہ بچہ ہو گئی۔ اس کے باج اور مگر منہ پیرے پر بھی روتی تھی کہ چھوڑنا کہہ کر آسان تھا۔ ان کا دل دکھ گیا۔ وہ تو رات کو ناز سے فارغ ہو کر وہ تک لپٹے چھوڑنا کہتی تھیں مگر آج خط کی وجہ سے زیادہ دیر نہیں چھو سکیں۔ بہتر پیرٹ کیں کیں کیں خیالات کے جھوم نے انہیں زیادہ دیر تک سنے نہیں دیا۔ راجہ کی حسرت تاک زندگی اور رفیق کا شوق و شوقیہ اس کی طرف سے وہ سب کے ساتھ انصاف کرنا چاہتی تھیں۔ ان کی زندگی بھی اب چراغ مری تھی اور وہ اپنی زندگی میں سب کو مناسب اور محظوظ رکھ کر دیکھنے کی کوشش تھیں انہیں راجہ سے بے حد ہمدردی تھی۔

اگر ان کے شوہر چند بھائی کی غریب کو ہمارا مسئلہ نہ چاہتے تو آج وہ ان کے کمرے کی بیوی ہوتی۔ اب بھی وقت گزرا نہیں۔ سود نے کمرے در و درو کے بعد شادی کی حالی بھری تھی۔ وہ تو اس میں بھی تھیں مگر ان کی ترقی کی خاطر سود نے شادی کی اور انہیں پاتے کی صورت بھی رکھا دی۔

وہ خدا کا شکر ادا کرتے تھیں۔ وہ بچے رات کو انہیں نے سچ کا کمرہ کھول کر بھانپا۔ سود خوف معمول جاگ رہے تھے اور بچہ رہے تھے۔ ان کے پیرے پر اضطراب کی کیفیت تھی اور وہ سوچ میں اوبے ہوئے تھے۔ وہ سوچتے تھیں۔

"اے میرا سچا والدین کی خواہش پر قربان ہو گیا۔ کمرے در و درو کرتا ہے۔ ماں اور عزم بہت، برکت میرے گھر زندگی سے بے زار۔ اسکا ہوا رہتا ہے۔ سیزنے زراہی محل سے کام لیا ہوتا تو سود کی حالت یہ نہ ہوتی۔ وہ ان سے آنے کے بعد بھی باپ سے ناراض تھے مگر جہد کر کے تھے اس لئے راجہ سے ملنے نہیں گئے انہوں نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ لنگھائی نہ تھا کوئی زندہ آدمی ہے۔ اس ایک بار جب ان کی شادی ملے ہوگی، انہوں نے اس کے کندھے پر سر رکھ کر سچی تھی۔

وہ خدا کا شکر ادا کرتے تھیں۔ وہ بچے رات کو انہیں نے سچ کا کمرہ کھول کر بھانپا۔ سود خوف معمول جاگ رہے تھے اور بچہ رہے تھے۔ ان کے پیرے پر اضطراب کی کیفیت تھی اور وہ سوچ میں اوبے ہوئے تھے۔ وہ سوچتے تھیں۔

"اے میرا سچا والدین کی خواہش پر قربان ہو گیا۔ کمرے در و درو کرتا ہے۔ ماں اور عزم بہت، برکت میرے گھر زندگی سے بے زار۔ اسکا ہوا رہتا ہے۔ سیزنے زراہی محل سے کام لیا ہوتا تو سود کی حالت یہ نہ ہوتی۔ وہ ان سے آنے کے بعد بھی باپ سے ناراض تھے مگر جہد کر کے تھے اس لئے راجہ سے ملنے نہیں گئے انہوں نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ لنگھائی نہ تھا کوئی زندہ آدمی ہے۔ اس ایک بار جب ان کی شادی ملے ہوگی، انہوں نے اس کے کندھے پر سر رکھ کر سچی تھی۔

"اسی اب بھی کچھ ہو سکتا ہے۔ خدا کا کچھ بچے۔ میں میری عازمت میں کب تک مجرم بن رہوں گا اور کتنی سزا بھگتوں گا؟"

مگر وہ سوچیں۔ راجہ کا ہاتھ بھی منہ سے نہ نکالا کہ نہیں پنگاری میں کوئی حرارت چھپتے سے شعلہ نہ بن جائے۔ ابھی کچھ دن پہلے وہ سود کی الماری صاف کر دی تھیں۔ ان کے کانچ کے زمانے کے کتے کی کاغذ کا پلاس اور دی انہوں نے بیٹھک دی تھی۔ جب ہی سود نے آکر کاغذات کے اہلکار کیے اور ان میں سے حلال کر کے پرانی ہی ایک کاپی نکالی۔ اسے بھلا اور اٹھا کر الماری میں رکھ دیا۔

"میں نے سب دیکھ بھال کر بیٹھا ہے۔ یہ پرائی کاپی ہے اس میں کچھ نہیں ہے۔"

"اسی دیکھو اس پر میرا سب بھارت ہے۔" انہوں نے سر دھار کر شہر پر حاد۔

اس میں میری بہت سچی تصویریں ہیں اس میں باقی ہے میرا اور میرا صاحب اگلے دن انہوں نے سارا کمرہ از سر نو کھینچ کر کے کمرے کے کچے سے کاپی نکالی۔

جب انہیں اندازہ ہوا جس پنگاری کو وہ بچا ہوا کمرہ بھی تھیں۔ اس میں آج بھی وہی حرارت ہے۔ اول دن سے سگ رہی ہے۔ یہ پرائی ان کے فریقین کے واقعات سے بھری ہوئی تھی۔

"راجہ۔ راجہ۔ ماموں۔ غصہ زندگی، غصہ محبت، ماموں نے زندگی کی تحریک کی۔ راجہ نے جانے میں کوئی سی لائی تھی۔ وہ بستی ہے تو روشنی ہی ہو جاتی ہے۔ مجھے اس کی بھی پند ہے اور اس کی کھلی بھی۔ آج میں ماموں کا کھل تک بھول جائے گی۔ آج اس نے حراج اریلیڈ بنایا۔"

بیس لکھی ہی معلوم باتوں سے کاپی بھری ہوئی تھی۔ نہ محبت بھرے شعر تھے، نہ راجہ کی تحریک میں ملنے سچا ہونے تھے۔ تحریک تھی تو اس کی۔ ان

کی شخصیت پر شاندار الفاظ میں قصیدے تھے۔ ان کی محبت، طلسم، بے غرضی، ایثار و قربانی کا کاہلہ دکھا اور سود نے کمرے میں قدم رکھے۔ وہ بھی اصرار کی طرف لپٹے تھے مگر انہیں فوراً اندازہ ہو گیا کہ کمرے میں اسی نہیں ہیں اور راجہ نے اسد کو اپنی گود میں اٹھا لیا ہے۔ اسے بھلا رہی ہے۔ بہتر درست کر دی ہے اور اب وہ نہ سکون ہو کر راجہ کی اگلی سے نکلیں رہا ہے۔ بالکل اس طرح جیسے سود کی اگلی سے نکلیں گے۔

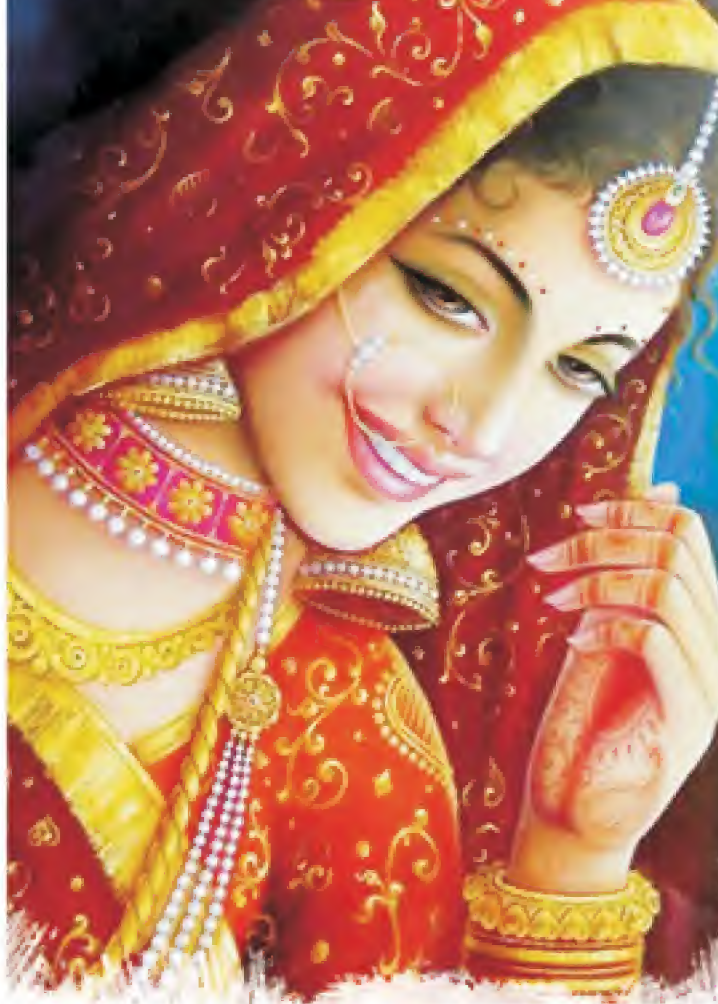
انہیں اپنا کمرہ ہے وہ محسوس ہونے لگی اور دوسرے صبر سے قدم اٹھاتے ہوئے کمرے میں داخل ہو گئے۔ نیند نے انہیں اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

کچھ بہت سویرے راجہ نے جب پھر بھی اس سے دعا کی کہ اجازت طلب کی تو وہ بچہ ہو گئی۔ اس کے باج اور مگر منہ پیرے پر بھی روتی تھی کہ چھوڑنا کہہ کر آسان تھا۔ ان کا دل دکھ گیا۔ وہ تو رات کو ناز سے فارغ ہو کر وہ تک لپٹے چھوڑنا کہتی تھیں مگر آج خط کی وجہ سے زیادہ دیر نہیں چھو سکیں۔ بہتر پیرٹ کیں کیں کیں خیالات کے جھوم نے انہیں زیادہ دیر تک سنے نہیں دیا۔ راجہ کی حسرت تاک زندگی اور رفیق کا شوق و شوقیہ اس کی طرف سے وہ سب کے ساتھ انصاف کرنا چاہتی تھیں۔ ان کی زندگی بھی اب چراغ مری تھی اور وہ اپنی زندگی میں سب کو مناسب اور محظوظ رکھ کر دیکھنے کی کوشش تھیں انہیں راجہ سے بے حد ہمدردی تھی۔

اگر ان کے شوہر چند بھائی کی غریب کو ہمارا مسئلہ نہ چاہتے تو آج وہ ان کے کمرے کی بیوی ہوتی۔ اب بھی وقت گزرا نہیں۔ سود نے کمرے در و درو کے بعد شادی کی حالی بھری تھی۔ وہ تو اس میں بھی تھیں مگر ان کی ترقی کی خاطر سود نے شادی کی اور انہیں پاتے کی صورت بھی رکھا دی۔

وہ خدا کا شکر ادا کرتے تھیں۔ وہ بچے رات کو انہیں نے سچ کا کمرہ کھول کر بھانپا۔ سود خوف معمول جاگ رہے تھے اور بچہ رہے تھے۔ ان کے پیرے پر اضطراب کی کیفیت تھی اور وہ سوچ میں اوبے ہوئے تھے۔ وہ سوچتے تھیں۔

"اے میرا سچا والدین کی خواہش پر قربان ہو گیا۔ کمرے در و درو کرتا ہے۔ ماں اور عزم بہت، برکت میرے گھر زندگی سے بے زار۔ اسکا ہوا رہتا ہے۔ سیزنے زراہی محل سے کام لیا ہوتا تو سود کی حالت یہ نہ ہوتی۔ وہ ان سے آنے کے بعد بھی باپ سے ناراض تھے مگر جہد کر کے تھے اس لئے راجہ سے ملنے نہیں گئے انہوں نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ لنگھائی نہ تھا کوئی زندہ آدمی ہے۔ اس ایک بار جب ان کی شادی ملے ہوگی، انہوں نے اس کے کندھے پر سر رکھ کر سچی تھی۔



جواب لینے آؤں گی۔"

سود ان کو دیکھتے رہے۔ وہ باہر چلی گئیں۔ بددلتی ہوئی۔ باہر سے رفیق اور سرد کے قہقہوں کی آواز آ رہی آ رہی تھیں کتے معلوم اور سادہ ہیں دونوں۔ انہوں نے سوچا، خام کو نرم نرم دھوپ کی حرارت میں لان کے کونے میں کرسی پر بیٹھے انتظار باندھے تھے، جب ہی ادا بھی ان کے قریب آ کر بیٹھ گئے۔ سرد دان کے پاس سے گزرے۔ وہ ان میں دوڑا کر رہے۔

"وہ کمرہ سزا کی دہائی میں جو پھول گئے ہیں، ماں کو نہ کھل دینا۔" انی نے جہاڑے سے ہی آواز نکالی۔ وہ راجہ کے ساتھ مل کر کچھوں کی دہائی کرسی تھی۔ رفیق اس کے ساتھ میر گئے تھے۔ انہوں نے تھی۔ "مجھے بھی نظر آ رہے ہیں پھول۔" سرد نہ تھا۔ "تو وہاں چھانچھان مت لگاؤ۔ بڑی محنت سے لگے ہیں یہ پھول تم کو کیا احساس؟"

سود نے دل میں سوچا، پھول مر رہا جاتے ہیں پھر ان کو کوئی طاقت چڑی کی صلاح نہیں کر سکتی میرا دل بھی مردہ ہو گیا ہے۔ سرد دان ان کے قریب ہی درخش کرنے لگے پھر منہ کے بولے

"بھائی جان! کیا خیال ہے، ہم دونوں کے سٹے مل ہو گئے اس خوشی کے موقع پر پارٹی دی جائے۔" "کون سے سٹے؟" سود نے پہلی ہی میں پوچھا۔ "اے آپ کی راجہ آپا سے شادی اور میری رفیق سے ملتی۔"

سود نے گھبرا کر اپنی طرف دیکھا مگر سرد کو گھبراہٹ سے اندازہ تھا پھر اس میں پتہ چھوڑ دیا۔ "کیا آپ کو اکلار ہے راجہ آپا سے شادی پر؟" سرد نہ تھرتھرتے انہیں دیکھتے گئے۔ "مگر تم۔"

"میری اپنی خواہش یہی ہے کہ کسی اپنے بھی ہولناک نکال دیا لڑکی سے شادی کروں۔ بس اب یہ معاملہ زیادہ آسان ہو گیا ہے۔ یہی تم کو سپرد نہیں میں ہیں۔ بے دھڑک خواہش کا اظہار کرتے ہیں اور بیٹھ کر اس امید سے کہ میں ان سے آرتے ہیں اور کالک لیم کے چھپے چھڑا دیتے ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے، رفیق میرے لئے مناسب ہے؟"

"میں کیا کر سکتا ہوں۔" سود والدی کی سوچوں کی سے گھبرا رہے تھے۔ "کیا کوئی چاک لڑکا ہے۔" "کون کون کدے۔" سرد نے سر دھار کر دیکھا۔ "چکے ہیں آپ بھلا کچھ دیکھتے ہیں؟" "اے! اہا ہا ہا ہا ہا ہا ہا۔"

"اے بھائی جان! اہا جان کی شادی کی بات تو نہیں کر رہا میں ان کے لئے تو ای جان ہی بہت ہیں۔ میں تو اپنی بات کر رہا ہوں۔ میری شادی میری زندگی کا سب سے اہم شے ہو گا۔ اس میں تو میں سچ کے شادی نے بھانپا جاتا ہوں۔ بس اہا جان کو چنگ کر سکتے ہیں اور آپ کو میں نے رطری بنا دیا ہے۔ چکے فیصلہ کیجئے۔"

(باقی صفحہ 92 پر)

سانچاں

غلیبہ

مسرور بے حد آزادی سے بول رہے تھے اور مسرور کھلی آنکھوں سے انہیں دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔ اس لڑکے کو کسی طاقت کی پروا ہے نہ کسی کار ہے۔ یہ اکتاہٹ اور اخلت اختیار کیوں ہے۔ ابا جان غامضی ہیں۔

”ہاں اچھی ہے۔ دیکھے اچھی لگی ہے“ انہوں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

”زائدہ ہاؤ“ مسرور نے غرور لگا کر پھر لہا کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ ”ابا جان پھر کھلی کی پارٹی کس دن ہو گی جاسے۔ مطلب یہ کہ بھائی جان کی شادی کے دن ہی یا اس کے بعد۔ میں اس کام میں دیر نہیں کرنا چاہتا جس فوراً فوراً۔“

مسرور کبھی بھاتے ہوئے کہہ رہے تھے اور لہا جان سر ہٹ کر منظور کی رہے ہوئے تھے۔

مسرور کو گھر سے باہر سال کے ضائع ہوتے چاہو برہم ہونے کا اتنا کھانگی نہیں ہوا تھا۔ کاش انہوں نے بھی سپورٹ میں ہی کر کوئی مثال قائم کی ہوتی۔

”بھائی جان! آپ کر کت کھیلتے تھے تو پڑ پڑیں میرا مطلب ہے کون سا شعبہ تھا؟“

”میں بالرقا فاسٹ ہاؤز“

”اے۔۔۔ یعنی الٹک۔۔۔ الٹک۔۔۔ آپ کھو سے ہتھی لے گئے۔ خیر کوئی بات نہیں۔ آپ بڑے اچھے تو ہیں۔ چلے لیٹے ذرا ابھرا پا کو ہل کر ٹک کریں۔“

لہا بنگا ہو کر مسرور نے ان کو دیکھا۔ پھر لہا جان کی مست نظر ڈالی۔ وہ اٹھارہ سینٹ کرائڈ چارہ تھے۔

”اٹھنے ہا کھل تو دوڑی بیویں کر آپ پر اہم پر حکومت کرنے لگیں گی۔ آج ہی سوتلے بے ذرا پیچھے بھاڑ کر لی جاسے۔ آپ ہاؤنگ الٹک کریں اور میں کچی اور سٹپ کروں۔ حرا آئے گا اب اسٹے پیچھے مست رہا کریں گھر میں ہی کچی پارٹی کیا کریں گے آف۔ کتنا بھانگے گا۔ آ۔۔۔“

وہاں کھلی کرتے ہوئے دابو کے پاس چلے گئے اور وہاں سے ان کی آوازیں فیتھے ان میں پیٹھے مسرور کے کانوں میں دبی گھولتے رہے۔ شام ہوتی ہی گھاسی کو جواب دہنے کے لئے ان کے پاس الفاٹو نہیں تھے۔ مسرور ہی ان کو جواب دے گا۔ ڈاٹا سہل چائے خونی کی رات آنے ہی دہلی تھی۔ مسرتوں کا سوچا اصل کیا ہو گا مراعتوں کی ساتھیوں کی میں کھلی لگیں۔

(ختم شد)